نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ

مدیر:
حافظ زبیر علی زئی

شعبان ۱۴۳۰ھ اگست ۲۰۰۹ء

- حق پر کون؟
- وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام
- سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ کے چند پہلو
- عون الرب فی توثیق شہر بن حوشب
- گفتگو میں احتیاط

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 6 | شعبان ۱۴۳۰ھ اگست ۲۰۰۹ء | شمارہ: 8

قیمت

فی شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

250 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اس شمارے میں

حافظ زبیر علی زئی

حق پر کون؟

آج کل اہلِ حدیث کے خلاف کتابوں ہی کتابوں پر زور ہے، جن میں زہریلی زبان کے ساتھ اکاذیب، افتراءات، مغالطات اور جھوٹ ہی جھوٹ کی بھرمار ہے۔ نوید بھائی (حضروی) نے محمد ظفر عطاری (بریلوی) کی کتاب ''حق پر کون؟'' لا کر دی، جس پر محمد عبدالحکیم شرف قادری اور محمد صدیق ہزاروی بریلوی وغیرہما نے تقریظیں لکھی ہیں۔

ایسی تمام کتابوں کی کثرت کے باوجود اہلِ حدیث دعوت پھیلتی ہی جارہی ہے۔ والحمدللہ

قارئین کرام! اس بریلوی کتاب: ''حق پر کون؟'' سے تین حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ، امام ابوحنیفہ اور امام طحاوی پر جھوٹ بولا گیا ہے:

۱) عطاری بریلوی نے بحوالہ ''عینی شرح بخاری'' نقل کیا کہ

''(حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما) نے دیکھا کہ ایک شخص رکوع میں جاتے اور رکوع سے واپس لوٹتے وقت رفع یدین کر رہا ہے تو آپ اسے فرمایا کہ رفع یدین نہ کر کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے پہلے کیا پھر چھوڑ دیا تھا۔'' (حق پر کون؟ ص ۲۹۹)

عرض ہے کہ اس روایت کو عینی حنفی نے عمدۃ القاری (ج ۵ ص ۲۷۳) میں بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے اور اس روایت کی کوئی سند متصل کسی کتاب میں نہیں ہے لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

تنبیہ: صحیح سند سے ثابت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ (زمانۂ تابعین میں) شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۷۳ وقال: ''رواتہ ثقات'' امام بیہقی نے فرمایا: اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

۲) عطاری بریلوی نے لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:.....
ترجمہ: اے موجودات سے زیادہ تعظیم والے، اے وری کے خزانے، مجھے بھی اپنی جناب سے عطا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ ﷺ کو راضی کیا ہے مجھے بھی راضی کیجئے میں آپ ﷺ کی جودت وسخاوت کا طلب گار ہوں مخلوق میں آپ ﷺ کے سوا ابوحنیفہ کا کوئی نہیں۔'' (حق پر کون؟ ص۱۰۲، بحوالہ قصیدہ نعمان)

عرض ہے کہ یہ اشعار اور قصیدہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے قطعاً ثابت نہیں اور نہ قصیدہ نعمان نامی کوئی کتاب اُن سے ثابت ہے لہٰذا عبارت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

۳) عطاری بریلوی نے لکھا ہے: ''امام طحاوی کا نظریہ
مَنْ كَانَ خَارِجًا عَنْ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةِ فِي الذَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ۔
(طحاوی شریف) ترجمہ: فی زمانہ جو آدمی چاروں مذاہب سے خارج ہو تو وہ اہل بدعت اور اہل نار میں سے ہے۔'' (حق پر کون؟ ص۲۷۳)

عرض ہے کہ اس قسم کی کوئی عبارت امام طحاوی رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ابومحمد حسن بن ابراہیم بن زُولاق نے امام طحاوی کے بیٹے ابوالحسن علی سے نقل کیا کہ طحاوی نے کہا: ''و هل يقلّد إلا عصبي....أو غبي'' اور تقلید تو صرف متعصب یا غبی (بے وقوف جاہل) کرتا ہے۔

دیکھئے حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب: لسان المیزان (۲۸۰/۱، دوسرا نسخہ ص۴۲۰)

تنبیہ: اس بریلوی حوالے سے ثابت ہوا کہ اہلِ بدعت اہلِ نار میں سے یعنی جہنمی ہیں لہٰذا بطورِ نصیحت عرض ہے کہ بریلوی مفتی احمد یار خان نعیمی نے کہا: ''شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔'' (جاء الحق ج۱ ص۲۲۲، بدعت کی قسموں کی پہچان)

فقہ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

۱۹۵) وعنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((کلامي لا ینسخ کلامَ اللّٰه وکلامُ اللّٰه ینسخ کلامي وکلامُ اللّٰه ینسخ بعضُه بعضًا .))

اور انھی (سیدنا جابر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کے کلام کا بعض دوسرے بعض کو منسوخ کرتا ہے۔

[(اسے دارقطنی ۴/۱۴۵ ح ۴۲۳۳) نے روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس میں جبرون بن واقد متہم راوی ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: اُس نے یہ روایت حیا کی کمی کی وجہ سے بیان کی...اور یہ روایت موضوع ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸۸ ملخصاً، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۱۱)

حافظ ابن عدی الجرجانی (متوفی ۳۶۵ھ) نے اس روایت کو ''منکر'' یعنی مردود قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۶۰۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۴۴۳)

جبرون ثقہ نہیں تھا۔ دیکھئے دیوان الضعفاء والمتروکین للذہبی (۱/۱۴۴ ت ۷۲۲)

حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو واہیات (بہت کمزور روایتوں) میں ذکر کیا ہے۔

دیکھئے العلل المتناہیہ (۱/۱۲۵ ح ۱۹۰)

کسی ایک محدث نے بھی جبرون بن واقد کی توثیق یا تعریف نہیں کی لہٰذا وہ متروک متہم راوی تھا۔

۱۹۶) وعن ابن عمر قال قال رسول اللّٰه ﷺ :

((إن أحادیثنا ینسخ بعضها بعضًا کنسخ القرآن .))

اور (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس طرح قرآن ایک دوسرے کو منسوخ کرتا ہے، اسی طرح ہماری حدیثیں ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہیں۔ [(اسے دارقطنی ۱۴۵/۴ ح ۴۲۳۴) نے روایت کیا ہے۔]
تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف اور منکر ہے۔
اس کا ایک راوی محمد بن الحارث بن زیاد بن الربیع الحارثی البصری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھا۔ امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۹ھ) نے فرمایا:
''روی أحادیث منکرة وھو متروك الحدیث''
اُس نے منکر حدیثیں بیان کیں اور وہ متروک الحدیث تھا۔ (الجرح والتعدیل ۲۳۱/۷ وسندہ صحیح)
نیز دیکھئے سنن ابن ماجہ بتحقیقی (تسہیل الحاجہ: ۲۵۰۰)
روایتِ مذکورہ میں محمد بن الحارث کا استاد محمد بن عبدالرحمٰن بن البیلمانی الکوفی بہت زیادہ ضعیف اور متروک: منکر الحدیث تھا۔ اس راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: **منکر الحدیث** (کتاب الضعفاء بتحقیقی: ۳۳۸)
امام بخاری جنھیں منکر الحدیث کہتے تو اُن سے روایت لینے کے وہ قائل نہیں تھے۔
دیکھئے التاریخ الاوسط للبخاری (۱۰۷/۲) اور لسان المیزان (۲۰/۱، دوسرا نسخہ ۳۰/۱)
حافظ ابن حبان نے ابن البیلمانی کے بارے میں فرمایا: اُس نے اپنے باپ سے دوسو احادیث کے قریب ایک نسخہ بیان کیا ہے، جس کی ساری حدیثیں موضوع ہیں، اس شخص کے ساتھ حجت پکڑنا جائز نہیں ہے... الخ (کتاب المجروحین ج۲ ص۲۶۴)
عبدالرحمٰن بن البیلمانی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی تھا۔
نیز دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۱۹) اور سنن ابی داود بتحقیقی (نیل المقصود: ۴۲۶۴)
۱۹۷) وعن أبي ثعلبة الخشني قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إن اللّٰه فرض فرائض فلا تضیّعوھا و حرّم حُرُماتٍ فلا تنتھکوھا وحدّ حُدودًا فلا تعتدوھا و سکت عن أشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا .))

روى الأحاديث الثلاثة الدارقطني.

اور (سیدنا) ابوثعلبہ الخشنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض چیزیں اللہ نے فرض کی ہیں لہٰذا تم انھیں ضائع نہ کرنا اور بعض چیزیں حرام قرار دی ہیں لہٰذا تم ان کی حرمت کو نہ توڑنا، اللہ نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں لہٰذا تم ان سے تجاوز نہ کرنا اور اللہ نے کچھ چیزوں سے (جان بوجھ کر) بھولے بغیر سکوت اختیار فرمایا ہے لہٰذا تم اُن کی بحث وتحقیق میں نہ لگنا۔[اسے دارقطنی ۱۸۳/۴۔۱۸۴ ح ۴۳۵۰ نے روایت کیا ہے۔]

ان تین احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے حاکم (المستدرک ۱۱۵/۴ ح ۷۱۱۴) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۱۲/۱۰، ۱۳) نے بھی مکحول عن ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام مکحول رحمہ اللہ کی سیدنا ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت (متابعات میں) صحیح مسلم (۱۹۳۱، دارالسلام: ۴۹۸۷) میں موجود ہے لیکن صراحتاً سیدنا ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے اُن کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔ امام مکحول کا مدلس ہونا ثابت نہیں۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۶۵)

حافظ العلائی نے فرمایا: مکحول عمر اور شہر کے لحاظ سے (سیدنا) ابوثعلبہ الخشنی (رضی اللہ عنہ) کے معاصر تھے لہٰذا اس کا احتمال ہے کہ انھوں نے ابوثعلبہ سے ملاقات کی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے اپنی عادت کے طور پر یہ روایت مرسل بیان کر دی ہو۔

(جامع التحصیل ص ۲۸۵، ۲۸۶، تحفۃ التحصیل ص ۳۱۵)

امام ابومسہر کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مکحول نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی صحابی سے کچھ نہیں سنا۔ دیکھئے المراسیل لابن ابی حاتم (ص ۲۱۱ وسندہ صحیح)

حافظ مزی نے کہا: اور (مکحول نے) اُن (ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ) سے کچھ بھی نہیں سنا۔

(تحفۃ الاشراف ۱۳۳/۹ قبل ح ۱۱۸۷۳)

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ منقطع ہے۔

(المطالب العالیہ ۷/۴۲۷ ح ۲۹۵۱)

حافظ ابن عساکر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور مکحول نے ابو ثعلبہ سے نہیں سنا۔

(معجم الشیوخ ج ۲ ص ۸۵ ح ۱۲۳۲)

معلوم ہوا کہ اتصالِ سند میں شک ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے انیس الساری (۱۶۲۱/۲ ح ۱۱۸۱)

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت والے لوگ بعض چیزیں کھاتے تھے اور بعض چیزوں کو گھن کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے، پھر اللہ نے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا لہٰذا جسے اُس نے حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے، وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں سکوت کیا ہے تو اس میں معافی (اجازت) ہے۔ الخ (سنن ابی داود: ۳۸۰۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱۱۵/۴، ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت میں سکوت کیا گیا ہو تو وہ مباح ہے۔

لطیفہ: ہمارے ایک دوست معصم خان غور غشتوی سے ایک شخص نے کہا: ''اگر تم بھینس کا حلال ہونا ثابت کر دو تو میں ایک لاکھ روپے انعام دوں گا۔'' معصم خان نے کہا: ''اگر تم بھینس کا حرام ہونا ثابت کر دو تو میں دو لاکھ روپے انعام دوں گا۔''

وہ شخص مبہوت و لاجواب ہو کر چُپ ہو گیا۔

بدعتی سے محبت؟

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''من أحب صاحب بدعة أحبط اللّٰه عمله وأخرج نور الإسلام من قلبه'' جو شخص کسی بدعتی سے محبت کرے تو اللہ اُس کا عمل ضائع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے اسلام کا نور نکال دیتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۱۰۳/۸، وسندہ صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

نومولود کے سرہانے چاقو؟

سوال: جب کسی کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے سرہانے ایک چاقو رکھ دیتے ہیں۔ کیا اسلام میں یہ جائز ہے؟ (حاجی نذیر خان، دامان حضرو)

جواب: نومولود بچے کے سرہانے چاقو رکھنے کا ثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے بلکہ ثقہ تابعیہ ام علقمہ مرجانہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ لوگوں کے جب بچے پیدا ہوتے تو (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس لائے جاتے، آپ اُن کے لئے برکت کی دعا فرماتی تھیں، پھر ایک بچہ لایا گیا تو وہ اُس کا سرہانہ رکھنے لگیں، کیا دیکھتی ہیں کہ اُس کے نیچے ایک اُسترا ہے تو انھوں (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) نے اُن لوگوں سے اُسترے کے بارے میں پوچھا؟ لوگوں نے کہا: ہم یہ استرا جنوں کی وجہ سے رکھتے ہیں۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے اُسترا لے کر دُور پھینک دیا اور انھیں اس سے منع کر دیا۔ انھوں نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدفالی کو بُرا سمجھتے تھے اور اس سے بُغض رکھتے تھے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس کام (اُسترا رکھنے) سے منع کرتی تھیں۔ (الادب المفرد للبخاری: ۹۱۲ وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے منہج میں خطا کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف الاسناد قرار دیا ہے۔ دیکھئے الادب المفرد بتحقیق الالبانی (ص ۳۱۹)

لہٰذا اس روایت کے تین راویوں کا دفاع پیشِ خدمت ہے:

① ام علقمہ مرجانہ رحمہا اللہ

ان سے علقمہ بن ابی علقمہ (ثقہ) اور بکیر بن الاشج (ثقہ) دو راویوں نے حدیث بیان کی۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (۱۲/ ۴۵۷، دوسرا نسخہ ۱۲/ ۴۷۸)

حافظ ابن حبان البستی نے انھیں کتاب الثقات (۵/ ۴۶۶) میں ذکر کیا اور صحیح ابن حبان

(الاحسان:۳۷۴۰) میں ان سے حدیث بیان کی۔معتدل امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**مدنية تابعية ثقة**'' وہ مدینے کی تابعیہ ثقہ تھیں۔ (معرفۃ الثقات ۲/۴۶۱ ح ۲۳۶۴۰)

امام ابن خزیمہ (صحیح ابن خزیمہ ۴/۳۳۵ ح ۳۰۱۸، ۴/۳۶۲ ح ۳۰۷۹) امام ترمذی (السنن:۸۷۶) حاکم (۱/۴۸۸ ح ۱۷۹۴) اور ذہبی نے اُن کی بیان کردہ حدیث کو صحیح قرار دیا۔امام مالک نے الموطأ (۱/۲۴۲ ح ۵۷۶) میں اُن سے روایت لی۔

شیخ البانی نے ایک راوی ضبہ بن محصن کے بارے میں کہا: ''**وكذلك وثقه كل من صحح حديثه...**'' اور اسی طرح ہر اُس نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے جس نے اُس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحہ ۷/۱۶ ح ۳۰۰۷)

معلوم ہوا کہ مرجانہ کو عجلی، ابن حبان، ترمذی، ابن خزیمہ اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ذہبی کی جرح (**لا تعرف**) اُن کی توثیق سے معارض ہو کر ساقط ہے۔رہا حافظ ابن حجر کا اسے مقبولہ یعنی مجہولہ الحال کہنا تو یہ جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

شیخ البانی پر تعجب ہے کہ عجلی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ترمذی اور حاکم کی توثیق کے باوجود مرجانہ مذکورہ کو مجہولہ سمجھتے تھے۔!

فائدہ: تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: ''**بل: صدوقة حسنة الحديث**'' بلکہ وہ سچی تھیں، اُن کی حدیث حسن ہے۔ (۴/۴۳۳ ت ۸۶۸۰)

④ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے۔دیکھئے میری کتاب ''نور العینین'' (ص ۱۱۵۔۱۱۶)

③ اسماعیل بن ابی اویس بقولِ راجح ضعیف راوی تھا لیکن امام بخاری کی اُس سے روایت حسن یا صحیح ہوتی ہے کیونکہ امام بخاری نے اُس کی اصل کتابوں سے روایتیں لکھی تھیں۔ دیکھئے حافظ ابن حجر کی کتاب ''ہدی الساری'' (ص ۳۹۱)

خلاصہ التحقیق: یہ روایت بلحاظِ سند حسن لذاتہ ہے اور متن میں کوئی علت نہیں لہٰذا اُس سے استدلال صحیح ہے۔

محمد زبیر صادق آبادی

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام

(آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگائے رہو، اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ (سورۃ الاعراف:۲۰۴، ترجمہ محمود حسن دیوبندی مع تفسیر عثمانی ص ۲۴۳)

اس آیت مبارکہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ آیت مقتدی کو سورہ فاتحہ کی قراءت سے منع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن اگر اس کے ترجمہ پر غور کریں تو اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا مطلب یہ ہو کہ مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس آیت مبارکہ میں دو حکم ہیں:

(۱) سنو (۲) چپ رہو

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا سننے سے مراد نہ پڑھنا ہی ہوتا ہے یا سننے والا پڑھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لئے ہم دو مثالیں بیان کرتے ہیں:

① نبی ﷺ نے اپنی حالتِ بیماری میں نماز پڑھائی لیکن بیماری اور ضعف کی وجہ سے زیادہ بلند آواز سے تکبیر نہیں کہہ سکتے تھے لہٰذا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر سناتے تھے'' (دیکھئے تفہیم البخاری جلد ۱ ص ۳۶۵، مع حواشی امین اوکاڑوی)

اب اگر سننے کا مطلب صرف یہ لیا جائے کہ سننے والا اپنی زبان کو حرکت ہی نہیں دے سکتا تو یہ بات درست نہیں کیونکہ صحابۂ کرام، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکبیر سنتے بھی تھے اور خود بھی تکبیر کہتے تھے جیسا کہ سب مسلمانوں کا اب بھی اسی طرح عمل ہے۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو'' الحدیث (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴)

لہٰذا ثابت ہوا کہ سننے کے حکم سے ہمیشہ نہ پڑھنا ہی مراد لینا درست نہیں۔

② اگر سننے کا مطلب نہ پڑھنا ہی ہوتا تو اذان کا جواب دینے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب بسلسلۂ جہاد کسی قصبہ یا شہر پر حملہ کرنا چاہتے تھےتو **وکان یستمع الاذان فان سمع اذانا امسك والا اغار** پہلے توجہ کرتے۔اگر اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ سے باز رہتے۔ورنہ ہلّہ بول دیتے تھے۔مسلم ص۱۶۶، ابوعوانہ جلد۱ص۳۳۵ دارمی ص۳۲۳، طیالسی ص۲،۱''

(احسن الکلام جلد۱ص۱۵۵، دوسرانسخہ ص۱۹۵)

اور یہ بھی نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ''**إذا سمعتم النّداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن**'' جب اذان سنو تو موذن کی طرح تم بھی ساتھ ساتھ کہتے جاؤ۔

(صحیح بخاری جلد۱ص۸۶، خیرالکلام ص۲۶۸ طبع جدید واللفظ لہ، دیکھئے نماز مسنون ص۲۵۹)

ویسے بھی اذان کا جواب وہی دے گا جو اذان سنے گا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ سننے سے نہ پڑھنا ہی مراد لینا درست نہیں۔اس آیت مبارکہ میں دوسرا حکم چپ رہنے کا ہے، اس کے لئے بھی ہم دو مثالیں بیان کرتے ہیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی ،فرمایا: رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان تھوڑی دیر چپ رہتے تھے۔میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔آپ اس تکبیر اور قراءت کے درمیان کی خاموشی کے دوران کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں پڑھتا ہوں: **اللّھم باعد بیني و بین خطایاي**......الحدیث

(صحیح بخاری جلد۱ص۱۰۳)

اس حدیث سے بالکل واضح ہے کہ آہستہ پڑھنا اور چپ رہنا دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

② حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''دل میں خفیہ آواز سے (سراً) پڑھنا فانصتوا (انصات/خاموشی) کے خلاف نہیں کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((من اغتسل یوم الجمعة ومس من طیب إن کان عنده، ولبس من أحسن ثیابه، ثم خرج حتی یأتي المسجد فیرکع إن بداله، ولم یؤذ أحدًا ثم أنصت إذا خرج إمامه حتّی یصلي ، کانت کفارة لما بینها و بین الجمعة الأخریٰ))

جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگائے اور اپنا اچھا لباس پہنے پھر مسجد کی طرف جائے پھر جو میسر ہو نماز پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ دے پھر جب اس کا امام آ جائے تو انصات کرے (خاموش ہو جائے) حتی کہ نماز پڑھ لے، یہ اس کے اور اگلے جمعے کے درمیان کا کفارہ بن جائے گا۔ (مسند احمد ۴۲۰/۵ ح ۲۳۵۷۱ وسندہ حسن، الطبرانی فی الکبیر ۱۶۱/۴ ح ۴۰۰۷، آثار السنن: ۹۱۳ وقال: "اسنادہ صحیح")

ایک روایت میں آیا ہے: ((**وينصت حتى يقضي صلاته إلا كان كفارة لما قبله من الجمعة**)) اور پھر وہ خاموش رہے حتیٰ کہ وہ اپنی نماز مکمل کر لے تو اس کے سابقہ جمعہ تک کا کفارہ ہو جائے گا۔ (سنن النسائی ۱۰۴/۳ ح ۱۴۰۴)

اس روایت کی سند میں ابرہیم نخعی مدلس ہیں لیکن یہی روایت دوسری سند کے ساتھ صحیح بخاری (۹۱۰) میں ((**ثم إذا خرج الإمام أنصت**)) إلخ کے الفاظ سے ہے جو نسائی والی روایت کی تائید کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نسائی والی روایت بھی ان شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح ہے۔" (الاعتصام شمارہ ۴۸ جلد ۶۰ ص ۲۷، ۲۸)

تنبیہ: آلِ دیوبند کے نزدیک یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ پہلی حدیث کا صحیح ہونا آلِ دیوبند کے محدث اور فقیہ نیموی سے نقل کیا جا چکا ہے اور نسائی والی حدیث میں ابرہیم نخعی مدلس ہیں لیکن آلِ دیوبند کے نزدیک خیر القرون کی تدلیس مضر نہیں ہے۔

(دیکھئے تجلیاتِ صفدر ج ۷ ص ۲۹۸، ج ۴ ص ۲۳۰)

قارئین محترم! جب آپ نے جان لیا کہ سننا اور چپ رہنا آہستہ پڑھنے کے مخالف نہیں تو ثابت ہوا کہ آیت مبارکہ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت مراد لینا درست نہیں۔ اب ہم آلِ دیوبند کے دیگر تسلیم شدہ دلائل سے اپنے معنی یعنی سننے اور چُپ رہنے سے مراد نہ پڑھنا ہی نہیں ہوتا، کی تائید پیش کرتے ہیں:

آلِ دیوبند کے مناظر ماسٹر امین اوکاڑوی نے سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تیسری حدیث ابو ہریرہؓ سے نقل فرمائی ہے، اگر اس کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ فرمان کہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن ابی شیبہ ج ۲/ص ۴۷۸) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث نبوی ﷺ واذا قرأ فانصتوا ۔ جو امام بخاریؒ کے دو استادوں نے ابن ابی شیبہ ج ا/ص ۳۷۷ اور مسند احمد ج ۲/ص ۳۷۶، ۴۲۰ پر نقل فرمائی ہے، تو مسئلہ کتنا صاف ہو جاتا...'' (جزء القرأۃ تحریفات اوکاڑوی ص ۱۱۹، ۱۲۰)

نیز ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نزلت فی الصلاۃ.'' (فتوحات صفدر ج ۳ ص ۲۳۳)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مغفل وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کا حکم امام کے پیچھے اقتداء کرنے والوںکو ہے''

(احسن الکلام جلد اص جلد ۲ ص ۱۰۲، دوسرا نسخہ ص ۱۳۳)

دیوبندیوں کی مشہور کتاب ادلہ کاملہ ص ۶۲ پر لکھا ہوا ہے: ''جب امام جہرًا قراءت کرے تو مقتدی سُنیں اور جب امام سِرًا قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہیں، دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ ہم امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، پس آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سنو، اور خاموش رہو۔''

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: ''علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر رحمھما اللہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنھم اور جمہور ائمۂ تابعین کے نزدیک یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہے''

(خاتمۃ الکلام ص ۱۱۴)

آلِ دیوبند کے شیخ الحدیث فیض احمد ملتانی نے لکھا ہے: ''درج ذیل صحابہؓ و تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ (تفسیر ابن جریر ص ۱۰۳ جلد ۹) حضرت ابو ہریرہؓ (دارقطنی)'' (نماز مدلل ص ۱۰۹)

ان مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ آلِ دیوبند کے نزدیک آیتِ مبارکہ ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ

الْقُرْاٰنُ ﴾ کی تفسیر اور حدیث و إذا قرأ فانصتوا ۔ کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور یہ آیت اور حدیث سری نمازوں کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''باقی سری نمازوں کے لئے قرآن کریم کی آیت۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث و اذا قرأ فانصتوا پہلے بیان ہو چکی ہے'' (احسن الکلام جلد ا ص ۲۳۲، دوسرا نسخہ ص ۲۸۸)

اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا کیا مطلب سمجھا ہے؟ دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر کے بقول آیت اور حدیث سری نمازوں کے متعلق بھی ہے اور سرفراز صفدر نے ہی اپنی کتاب احسن الکلام میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دو آثار نقل کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں قرأت کے قائل و فاعل تھے اور حکم دیتے تھے۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے ایک اثر کے متعلق لکھا ہے: ''اصول حدیث اور محدثین کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن، جید قوی اور صحیح ہے''

(احسن الکلام جلد ا ص ۳۱۴ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۳۸۸)

انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مزید لکھا ہے کہ ''صرف ظہر و عصر کی سرّی نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأۃ کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور وہ دونوں پہلی رکعتوں میں سُورۃ فاتحہ کے علاوہ وشيء من القرآن کی قرأت کے بھی قائل تھے''

(احسن الکلام ص ۳۱۵، دوسرا نسخہ ص ۳۸۸)

آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے بلکہ حکم دیتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تُو اسے پڑھ اور امام سے پہلے ختم کر لے، پس بے شک وہ جب ولا الضالین کہتا ہے فرشتے آمین کہتے ہیں جس کی آمین اس سے مل گئی تو وہ اس کے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی دعا قبول کر لی جائے''

یہ اثر جہری نمازوں کے متعلق ہے کیونکہ سری نمازوں میں دیوبندی آمین نہیں کہتے۔

آلِ دیوبند کے محدث محمد بن علی نیموی نے اس اثر کے متعلق کہا: ''و إسناده حسن''
(آثار السنن ص۸۹ ح۳۵۸)

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا: ''محقق نیمویؒ کا نام ظہیر احسن ابوالخیر کنیت اور شوق تخلص تھا۔ آپ مولانا علامہ محمد عبدالحیؒ لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کے شاگرد رشید تھے، بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، فن اسماء الرجال پر گہری نظر رکھتے تھے، اور خداداد ذہانت اور فطانت میں قاضی شوکانیؒ سے بھی انکا پایہ بہت بلند تھا۔ مگر افسوس کہ ناپائیدار زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ان کی قابلیت کے پورے جوہر ابھی اچھی طرح اجاگر نہ ہوئے تھے کہ ۱۷/ رمضان ۱۳۲۲ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، آپ کی مشہور کتاب آثار السنن (مع حاشیہ تعلیق الحسن) کو علماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور فریق ثانی کی نگاہوں میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے'' (احسن الکلام جلد ا ص ۳۲۵ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۴۰۱)

جب آپ نے جان لیا کہ آلِ دیوبند کی معتبر کتابوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سری و جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے بلکہ حکم دیتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت مبارکہ ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ اور حدیث ((و إذا قرأ فانصتوا)) میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق کونسا فہم معتبر ہے آلِ دیوبند کا فہم یا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فہم؟!

چنانچہ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا: ''میں اس تصوّر کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، آئمہ ہدیٰؒ اور اکابر امتؒ نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا۔ اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔''
(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۳۷، دوسرا نسخہ ص ۲۵)

اگر آلِ دیوبند نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فہم کو معتبر نہ سمجھا تو اپنے ہی اصول کے مطابق گمراہی کی جڑ ثابت ہو جائیں گے اور ساتھ ہی آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت بھی ساقط ہو جائے گی کیونکہ آلِ دیوبند کے مشہور مناظر ماسٹر امین

اوکاڑوی نے اپنی تائید میں طحاوی حنفی سے نقل کیا ہے کہ ''سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیں، اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی ج ا ص ۲۳)'' (تجلیات صفدر جلد ۵ ص ۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دیو بندیوں کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی عدالت اور عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے اور......'' (خزائن السنن ۱/۱۹۱، ۱۹۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کے متعلق مزید دلائل آلِ دیو بند کے اصولوں کے مطابق درج ذیل ہیں:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((كل صلاة لايقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهى خداج غير تمام)) قال قلت: كنت خلف الإمام؟ قال: فأخذ بيدي وقال: اقرأ في نفسك يافارسي!)) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے پوری نہیں ہے، میں نے کہا: اگر میں امام کے پیچھے ہوں، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے فارسی! آہستہ بغیر آواز بلند کیے پڑھا کرو۔ (صحیح ابی عوانہ ۲/۱۲۷ ح ۱۳۲۷)

آلِ دیو بند کے ''شہید اور مفتی'' محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے: ''صحیح ابوعوانہ کی احادیث کا صحیح ہونا سب کو مسلم ہے'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم طبع جدید حصہ دوم ص ۱۲۱)

سرفراز صفدر نے اپنی تائید میں آلِ دیو بند کے مشہور مصنف ظفر احمد دیو بندی سے نقل کیا ہے: ''مولانا ظفر احمد صاحبؒ لکھتے ہیں کہ سہلؒ بن بحرؒ کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا۔ لیکن کنز العمال جلد ا ص ۳ میں لکھا ہے کہ صحیح ابوعوانہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ (اعلاء السنن جلد ۴ ص ۴۹)''

(احسن الکلام جلد ا ص ۱۹۱ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۲۳۸)

ایک روایت میں ہے کہ شاگرد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں امام کی قراءت سن رہا ہوتا ہوں؟ تو انھوں نے فرمایا: اپنے نفس میں (آہستہ) پڑھو۔ (صحیح ابی عوانہ ۱۲۸/۲، واسنادہ صحیح)

تنبیہ: ابوعوانہ کی اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مقتدی کو جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

آلِ دیوبند کے امام ملا علی قاری حنفی نے لکھا: " **(في نفسك): سرًا غير جهرٍ**"

یعنی آہستہ پڑھ بلند آواز سے نہ پڑھ۔ (مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۸۳، دوسرا نسخہ ص ۵۴۹)

مرقاۃ (کتاب) کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ''ہماری مشکوۃ کی شرح لکھی گئی ہے مکہ میں بیٹھ کر ملا علی قاریؒ نے لکھی جس کا نام ہے مرقاۃ شرح مشکوۃ۔''

(فتوحات صفدر ج ۱ ص ۱۰۵، دوسرا نسخہ ص ۸۶)

آلِ دیوبند کے ''محدث'' خلیل احمد سہارنپوری نے لکھا ہے: " **[اقرأ بها]أي بأ م القرآن [يا فارسي في نفسك] سرًا غير جهر .**"

یعنی آہستہ پڑھ بلند آواز سے نہ پڑھ۔ (بذل المجہود ج ۵ ص ۳۹ ح ۸۲۱)

آلِ دیوبند کے مسلّم بزرگ شاہ ولی اللہ دہلوی نے'' اقـرأ بهـا في نفسك '' کے ترجمہ و تشریح میں لکھا ہے: ''بخواں آنرا در نفس خود اے فارسی یعنی آہستہ بخوان تا غیر تو آنرا نشنود'' اے فارسی! اپنے نفس میں پڑھ یعنی آہستہ پڑھ تا کہ دوسروں کو تُو نہ سنائے۔

(مصفّٰی شرح موطأ ج ۱ ص ۱۰۶)

شاہ ولی اللہ کے بارے میں سرفراز خان صفدر نے ایک بریلوی ''مفتی'' کو مخاطب کر کے لکھا ہے: ''مفتی صاحب کیا آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو مسلمان اور عالم دین اور اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کی بات تسلیم کرنا پڑے گی...'' (بابِ جنت بجواب راہِ جنت ص ۴۹)

سرفراز خان نے مزید لکھا: ''بڑے شوق سے مشکل وقت میں آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا دامن چھوڑ دیں مگر ہم ان کا دامن چھوڑنے کیلیے ہرگز تیار نہیں ہیں''

(بابِ جنت ص۵۰)

آلِ دیوبند کے دوسرے مسلّم بزرگ عبدالحق دہلوی نے کہا: ''بخوان فاتحہ را پس امام نیز اما آہستہ چنانچہ بشنوانی خودرا۔'' امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ آہستہ چنانچہ اپنے آپ کو سنا۔

(اشعۃ اللمعات ج۱ص۳۹۹)

عبدالحق دہلوی نے مزید کہا: ''أي سرًا تسمع نفسك '' یعنی سراً اپنے آپ کو سناتے ہوئے پڑھ۔ (اللمعات ص۱۲۸، ج۳ بحوالہ توضیح الکلام ج۱ص۱۸۹، طبع جدید ص۱۸۵)

مزید تفصیل کے لئے توضیح الکلام وغیرہ دیکھیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب القراءت میں فرمایا: "**والمراد بقوله اقرأ بها في نفسك أن يتلفظ بها سرًا دون الجهر ولا يجوز حمله علٰى ذكرها بقلبه دون التلفظ بها لإجماع أهل اللسان علٰى أن ذلك لا يسمى قراءة، ولإجماع أهل العلم علٰى أن ذكرها بقلبه دون التلفظ بها ليس بشرط ولا مسنون فلا يجوز حمل الخبر علٰى ما لا يقول به أحد ولا يساعده لسان العرب وباللّٰه التوفيق.**''

یعنی اقرأ في نفسك کا یہ مطلب ہے کہ آہستہ اس کو لفظاً پڑھا جائے بلند آواز سے نہ پڑھا جائے، اور اسے دل میں غور وتدبر کے معنی میں حمل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اہل عرب کا اتفاق ہے کہ اسے قراءت نہیں کہتے اور اہل علم کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ دل میں غور کرنا اور لفظ ادا نہ کرنا نہ شرط ہے اور نہ مسنون ہے لہٰذا جس بات کا کوئی قائل نہیں اور نہ ہی اس معنی کی تائید لغت عرب سے ہوتی ہے اس پر حدیث کو محمول کرنا جائز نہیں۔

(کتاب القراءۃ ص۱۷، توضیح الکلام جلد۱ص۱۹۰، طبع جدید ص۱۸۶)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا: ''اجماع اُمت کا مخالف بنصِ کتاب وسنت دوزخی ہے۔''

(تجلیات صفدر جلد۱ص۲۸۷)

ماسٹر امین نے مزید لکھا ہے: '' آنحضرت ﷺ نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)'' (تجلیاتِ صفدر ج۶ص۱۸۹)

دل میں پڑھنے کا مطلب سرفراز کی عبارت سے درج ذیل ہے:

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''شروع شروع میں جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم لاتے۔ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے۔تاکہ جلد اسے یاد کرلیں اور سیکھ لیں۔مبادا حضرت جبرائیلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہوسکے۔ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں پوری طرح سننے اور سمجھنے میں دقّت ہوتی تھی۔ارشاد ہوا کہ آپ ہمہ تن متوجہ ہوکر سنیں۔جس وقت حضرت جبرائیلؑ پڑھیں۔آپ اس وقت خاموش ہوکر توجہ کریں اور سنیں اور زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔'' (احسن الکلام جلد ا ص ۸۴، دوسرا نسخہ ص ۱۱۱)

دل میں پڑھنے کا مطلب زبان ہلائے بغیر غور وتدبر کرنا نہیں ہے۔کیونکہ نبی ﷺ دل میں پڑھ رہے تھے اور آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔اگر زبان مبارک کو ہلائے بغیر صرف غور وفکر کررہے تھے تو روکا کس بات سے تھا؟

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا: ''نماز جنازہ آہستہ پڑھنی چاہیے'' (تجلیات صفدر جلد ۲ ص ۵۹۳)

ماسٹر نے اپنے اس دعویٰ پر ایک دلیل یوں نقل کی: ''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ سرا فی نفسه دل ہی دل میں پڑھا جائے''

(تجلیات صفدر جلد ۲ ص ۵۹۳)

یہ بات تو ہر دیوبندی جانتا ہے کہ جب وہ جنازہ دل میں پڑھتا ہے تو اپنی زبان کو ہلا کر پڑھتا ہے۔فیض احمد ملتانی دیوبندی نے اپنی تائید میں امام ترمذی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''نمازی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دل میں کہے، یعنی آہستہ کہے۔'' (نماز مدلل ص ۱۰۶)

یہ بات بھی ہر دیوبندی جانتا ہے کہ جب وہ نماز میں بسم اللہ اپنے دل میں پڑھتا ہے تو اس کی زبان ہلتی ہے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ''فرمایا حضور ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے قرآن پڑھا۔ قـرأ في نفسه اپنے دل میں آہستہ آہستہ پڑھا۔جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا سنوا اذا

قرأ فانصتوا اے میرے مقتدیو خاموش رہو۔'' (فتوحات صفدر ج اص ۲۹۷، دوسرا نسخہ ص ۲۶۳)
ہمارے نزدیک تو یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث (۳۹ ص ۳۱۔۳۲) لیکن چونکہ اوکاڑوی کے نزدیک یہ روایت معتبر ہے اور ہمارا استدلال بھی صرف دیوبندی ترجمے سے ہے لہٰذا ایسے دیوبندی جو **اقرأ بها في نفسك** کا معنی دل میں پڑھنے کے بجائے دل میں تدبر کرنے کا کرتے ہیں، وہی از راہِ انصاف بتائیں کہ جب اس شخص نے پڑھا ہی نہیں تھا تو اسے کس بات سے روکا گیا تھا؟

اقرأ بها في نفسك کا مطلب آہستہ پڑھنا ہی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سری و جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے جیسا کہ آلِ دیوبند کی کتابوں سے نقل کیا جا چکا ہے اور یہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی حدیث کے خلاف عمل نہیں کر سکتے ورنہ آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق ان کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کے متعلق دوسری حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے ہرگز پوری نہیں۔ ابو سائب نے کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کبھی میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ تو دبایا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرا بازو اور کہا: ''**اقرأ بها في نفسك يا فارسي**!'' یعنی اے فارسی! اسے آہستہ پڑھا کرو۔ **فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول:((قال الله تبارك و تعالیٰ: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، فنصفها لي ونصفها لعبدي ولعبدي ما سأل، قال رسول الله ﷺ : ((اقرأوا))....الحديث** کیونکہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: تقسیم کی گئی نماز میرے اور بندے کے درمیان آدھوں آدھ، آدھی میری اور آدھی اس کی اور میرے بندے نے جو مانگا اسے دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**اقرأوا**'' پڑھا کرو.....الحدیث (موطأ امام مالک ح ۳۹)

آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''وہ اقوال صحابہ کرامؓ جو موطأ اور جامع عبدالرزاقؒ میں ہوں وہ مستند اور قابل اعتبار ہیں۔'' (احسن الکلام جلد ا ص ۳۱۸، دوسرا نسخہ ص ۳۹۲)

محمد تقی عثمانی نے کہا: ''جہاں تک صحیحین اور موطأ کا تعلق ہے اُن کے بارے میں اتفاق ہے کہ انکی تمام احادیث نفس الامر میں بھی صحیح ہیں۔'' (درس ترمذی جلد ا ص ۶۳)

اب دیکھئے! اس حدیث میں سائل نے امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق پوچھا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سائل سے فرمایا: ''اقرأ بها في نفسك'' پھر نماز کی تقسیم کا ذکر کیا، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اقرأوا ''یعنی پڑھا کرو۔

جب آپ نے جان لیا کہ آیت ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ اور حدیث ((وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا)) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت مراد نہیں لی، تو اب مزید سنئے: آیت ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ مکی ہے چنانچہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ کے متعلق لکھا: ''یہ آیت مکی ہے۔''

(احسن الکلام جلد ا ص ۱۴۰، دوسرا نسخہ ص ۱۷۶)

تقی عثمانی نے بھی کہا ہے: ''یہ آیت مکّی ہے'' (درس ترمذی جلد ۲ ص ۸۷)

ظفر احمد عثمانی دیوبندی نے آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے بارے میں لکھا: ''یہ بالاتفاق مکی ہے''

(فاران، دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۳۵ بحوالہ توضیح الکلام جلد ۲ ص ۱۱۵، فاتحۃ الکلام، تصنیف ظفر احمد عثمانی ص ۲۲ واللفظ لہ)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے: ''کیونکہ اعراف باتفاق محدثین ومفسرین کے مکی ہے اور یہ آیت بھی مکیّہ ہے کسی نے اس کو مکیہ ہونے سے استثناء نہیں کیا نہ کسی نے اس کو مَدَنِیّہ لکھا'' (سبیل الرشاد ص ۱۲، تالیفاتِ رشیدیہ ص ۵۱۰ واللفظ لہ)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ مکی ہے۔ تو عرض ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے کھڑے باتیں کر لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت ﴿و قوموا للّٰه قانتين﴾ نازل ہوئی۔

چنانچہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''امام صاحبؒ کی دلیل نمبر ا بخاری جلد ا

ص۱۶۰اور ترمذی جلد۱ص۵۴ میں ہے: **عن زیدؓ بن ارقم قال کنا نتکلم خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصّلوۃ یتکلم الرجل من صاحبہ الٰی جنبہ حتی نزلت وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ فامرنا بالسکوت و نھینا عن الکلام۔"**

(خزائن السنن جلد۲ص۱۴۴)

آلِ دیوبند کے شیخ الاسلام تقی عثمانی نے لکھا: ''اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آیتِ قرآنی ''وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ '' مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔'' (درس ترمذی جلد۲ص۱۵۴)

جب یہ بات آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق ثابت ہوگئی کہ آیت واذا قری القرآن نے مقتدیوں کو نماز میں باتوں سے بھی منع نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے کہ مقتدی زبان ہلا کر کچھ نہیں پڑھ سکتا۔

نماز میں کلام کی ممانعت کے بعد ایک صحابی سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے لاعلمی کی وجہ سے باتیں کرلیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس صحابی سے فرمایا: ''یہ نماز ایسی ہے، جس میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے اس میں تو تسبیح، تکبیر اور قراءت ہوتی ہے''

(مسلم ج۱ص۲۰۳، حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۶ واللفظ لہ، نماز مسنون ص۴۸۰)

اب دیکھئے! پہلے آیت مبارکہ ﴿و اذا قری القرآن ﴾ نازل ہوئی جس نے مقتدیوں کو باتوں سے بھی منع نہ کیا اس کے بعد آیتِ مبارکہ ﴿وقوموا للّٰہ قانتین ﴾ نازل ہوئی جس نے مقتدیوں کو باتوں سے منع کیا لیکن ان دونوں آیاتِ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ جنھوں نے بطور مقتدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی، اور نماز میں انھوں نے باتیں کی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باتوں سے منع کیا اور قراءت کا حکم دیا جس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ آیت ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ مقتدی قراءت نہ کرے۔

اس بات پر تمام آلِ دیوبند کا اتفاق ہے کہ اگر جماعت ہو رہی ہو تو بعد میں آنے والا شخص

تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوگا لہٰذا اگر ﴿ وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ ﴾ کا مطلب یہ ہوتا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کوئی شخص زبان کو حرکت نہیں دے سکتا تو بعد میں آنے والا شخص تکبیرِ تحریمہ کیسے کہے گا؟ اگر آلِ دیوبند یہ عذر پیش کریں کہ ہم آیت ﴿ وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ ﴾ کا شانِ نزول نماز تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک تکبیرِ تحریمہ نماز میں شامل نہیں لہٰذا تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد مقتدی زبان کو حرکت نہیں دے سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول آلِ دیوبند کے تسلیم شدہ اصولوں کے خلاف ہے چنانچہ آلِ دیوبند کے وکیل ماسٹر امین اوکاڑوی کی کتاب تجلیاتِ صفدر میں لکھا ہوا ہے کہ ''اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شانِ نزول اور خاص سبب پر منحصر کر دینا غلط اور باطل ہے۔ اس کو صرف سببِ نزول میں محصور و مسدود سمجھنا ایک ایسی علمی غلطی ہے جس کا ارتکاب کوئی ادنی طالبِ علم بھی نہیں کر سکتا۔'' (تجلیات صفدر جلد۳ ص ۶۸، بشیر احمد قادری دیوبندی کی تحریر)

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا: ''نصوص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوص اسباب کا۔ اور یہ کہ کوئی آیت شانِ نزول پر مقید نہیں ہوتی۔''

(احسن الکلام جلد ۱ ص ۱۰۲، دوسرا نسخہ ص ۱۳۳)

دیوبندیوں کے محدث سعید احمد پالنپوری نے لکھا: ''نص کے الفاظ کی عمومیت کا اعتبار ہے شانِ نزول اور سیاق کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہے۔'' (ادلۂ کاملہ ص ۸۱)

محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا: ''خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم ج۲ ص ۱۲۸)

آلِ دیوبند کے مفتی جمیل نے لکھا ہے: ''مسلمان تو اس حکم کے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مخاطب ہیں کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو خواہ نماز میں یا نماز کے باہر، تو خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔'' (رسولِ اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز ص ۱۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بعد میں آنے والا مقتدی قرآن سننے اور چپ رہنے کے باوجود تکبیرِ تحریمہ کہہ سکتا ہے تو فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ ''مفتی'' جمیل کی تفسیر کے بعد ایک اور لطیفہ بھی

سنئے۔ ''مفتی'' محمد ابراہیم دیوبندی نے لکھا ہے: '' آج کل اہل بدعت کے عقائد حدِ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ (کذا فی احسن الفتاوی ص ۲۹۰ ج ۳) چونکہ اس مسئلہ میں ابتلاء عام ہے اس لئے اس کا آسان حل لکھا جاتا ہے وہ یہ کہ جہاں اس قسم کے امام سے واسطہ پڑے اور الگ ہو کر انفرادی نماز پڑھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں صورۃً بدعتی امام کی اقتداء اختیار کر لی جائے اور دل میں اپنی انفرادی نماز کی نیت کی جائے۔ ثناء کے بعد تعوذ تسمیہ پھر قراءت کی جائے۔ غرض ظاہر کی حد تک رکوع سجدہ میں امام کے پیچھے پیچھے رہے مگر نماز اپنی ہی پڑھتا رہے۔'' (چار سو اہم مسائل ص ۳۴)

ان دونوں مفتیوں کے فتووں سے معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو ایسی صورت میں بھی سورہ فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے۔ قاری سعید الرحمٰن دیوبندی نے اپنے والد عبدالرحمٰن کا ملپوری سے، اس نے اپنے پیر اشرفعلی تھانوی سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا جو وہاں جمعہ پڑھتا ہے جہاں حنفیہ کی اکثر شرائط مفقود ہوتی ہیں تو: ''حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں فرمایا ''ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہیئے تا کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے۔'' (تجلیات رحمانی ص ۲۳۳ طبع اول ۱۹۶۹ء)

اس فتوے کے بعد دو باتوں میں سے ایک تو بالکل ظاہر ہے: (۱) یا تو تقلیدی چکر میں پھنس کر قرآن وحدیث کی مخالفت کا حکم دیا جا رہا ہے یا (۲) پھر قرآن وحدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت یا ترکِ فاتحہ کی دلیل بالکل نہیں ہے۔

آلِ دیوبند کے ان اصولوں کی روشنی میں آلِ دیوبند کی تفسیر صحیح نہیں یا پھر آلِ دیوبند کے اصول غلط ہیں۔ نیز آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق نمازِ عیدین میں، بعد میں آنے والا مقتدی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ زائد تین تکبیرات ایسے وقت بھی کہے گا جب امام قراءت شروع کر چکا ہوگا۔ چنانچہ آلِ دیوبند کے ''شہید اور مفتی'' یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے:

'' اگر امام تکبیرات سے فارغ ہو چکا ہو، خواہ قرات شروع کی ہو یا نہ کی ہو، بعد میں آنے والا مقتدی تکبیر تحریمہ کے بعد زائد تکبیریں بھی کہہ لے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۴۱۶)

آلِ دیوبند کے ''فقیہ العصر اور مفتی'' رشید احمد لدھیانوی نے لکھا ہے: ''تکبیرِ تحریمہ کے بعد تکبیرات زوائد کہہ لے، اگرچہ امام قرأت شروع کر چکا ہو'' (احسن الفتاویٰ ج۴ص۱۵۳)

اب ہم ایک ایسی حدیث جو آلِ دیوبند کے نزدیک بالکل صحیح ہے، سے ثابت کردیتے ہیں کہ جب امام قراءت کر رہا ہو تو مقتدی زبان ہلا کر کوئی کلمہ کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ انوار خورشید دیوبندی نے لکھا: ''حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف میں کچھ تخفیف محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے پاؤں سے زمین میں لکیریں پڑ رہی تھیں، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو (حضرت ابوبکرؓ کو متنبہ کرنے کے لیے) سبحان اللہ کہا، حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ہی ٹھہرو، حضور علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور آپ کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوکر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی اقتداء کرنے لگے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قراءۃ اسی جگہ سے شروع فرمائی جس جگہ حضرت ابوبکرؓ پہنچے تھے۔''

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۲۳، ۳۲۴)

آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے مذکورہ حدیث کے متعلق لکھا:

''یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔'' (احسن الکلام جلد۱ص۲۴۵، دوسرا نسخہ ص۳۰۴)

اس حدیث کے متعلق انوار خورشید دیوبندی نے لکھا:

''یہ آپ کا آخری فعل جس کا کوئی ناسخ بھی نہیں'' (حدیث اور اہل حدیث ص۳۴۵)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی زندگی کے آخر تک صحابہ کرام نے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کا یہ مطلب نہیں لیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو مقتدی زبان کو حرکت ہی نہیں دے سکتا اور اگر صحابہ کرام کے نزدیک ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کا مطلب ایسا ہی ہوتا جیسا کہ آلِ دیوبند نے سمجھا ہے تو وہ کبھی سبحان اللہ نہ کہتے۔

یہ جواب آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ (ص ۱۲۵) اور توضیح الکلام (ج ۲ ص ۴۵۳)

اگر کوئی دیوبندی کہے کہ میں آلِ دیوبند کے اصولوں کا پابند ہوں اور اس حدیث سے میرا مسئلہ تو حل ہو گیا کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے دیوبندی کا مسئلہ حل نہیں ہوا کیونکہ اس روایت کے مطابق نبی ﷺ مقتدی نہیں بلکہ امام بنے تھے۔ چنانچہ آلِ دیوبند کے شیخ الحدیث فیض احمد ملتانی نے اسی روایت کے متعلق لکھا ہے: '' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کے درمیان آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور امام بنے، حضرت ابوبکرؓ مکبّر بنے۔'' (نماز مدلل ص ۱۱۵)

اگر کوئی شخص کہے کہ اس روایت کے مطابق امام پر بھی سورۂ فاتحہ ضروری نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آلِ دیوبند کے نزدیک امام پر سورۂ فاتحہ واجب ہے۔ سرفراز خان صفدر نے کہا:

'' فاتحہ صرف امام پر لازم ہے'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۳۴۲، دوسرا نسخہ ص ۴۲۲)

اگر کوئی دیوبندی کہے کہ اس روایت کا تحقیقی جواب آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طحاوی حنفی نے آلِ دیوبند کے امام محمد بن حسن شیبانی سے اس روایت کے متعلق لکھا ہے: '' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے دنوں میں جو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام پیچھے کھڑے ہو کر اقتدا کر رہے ہیں تو یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس میں آپ نے ایسے کام کیے ہیں جو آپ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں ایک تو یہ کہ آپ نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ختم کی تھی۔ دوسرا یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ہی نماز میں پہلے امام بنے پھر مقتدی اور یہ بھی بالاتفاق کسی کے لئے جائز نہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کچھ ایسے امور ہیں جو

آپ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں۔'' (شرح معانی الآثار ص ۲۳۷ ج ۱، توضیح الکلام ج ۲ ص ۷۷۴)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل وفاعل تھے بلکہ اس کا حکم دیتے تھے۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سرفراز صفدر نے لکھا: ''حضرت ابو ہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں۔ اور ۷ھ کو مسلمان ہوئے ہیں۔'' (احسن الکلام جلد ا ص ۱۵۰، دوسرا نسخہ ص ۱۸۹)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: ''اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جو ۷ھ میں اسلام لائے'' (درس ترمذی جلد ا ص ۲۹۱)

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ ہوں۔ وصال تک آپ کی نماز اسی طرح تھی'' (تفہیم البخاری علی صحیح بخاری جلد ا ص ۴۰۰، ترجمہ ظہور الباری دیوبندی)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخر تک نماز پڑھی ہے۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سری وجہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل وفاعل تھے بلکہ حکم دیتے تھے اور اگر ان سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ پوچھا جاتا تو سائل سے یہ بھی فرماتے تھے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اقرأوا)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو۔

اگر کوئی دیوبندی کہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا تو عرض ہے کہ یہ بات آلِ دیوبند کے اپنے ہی اصول کے خلاف ہے کیونکہ آلِ دیوبند کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی صحابی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آہستہ قراءت بھی کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''رہا یہ سوال کہ اگر پڑھنے والے نے آہستہ قرأت کی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے علم ہوا؟ تو یہ بڑی سطحی قسم کی بات ہے احادیث میں آتا ہے۔ کہ آپ کو نماز کی حالت میں ایک مخصوص

کیفیت حاصل تھی۔ جس سے آپ مقتدیوں کے رکوع وسجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے(مشکوٰۃ جلد اص ۷۷)'' (احسن الکلام جلد اص ۲۳۰ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۲۸٦)

مزید لکھا ہے: ''مقتدی کی آہستہ قرأت سے متاثر ہونا بعید نہ تھا۔ اس لئے نماز کی حالت میں آپ کی طبیعت لطیف تر اور شفاف تر ہو جاتی تھی'' (احسن الکلام جلد اص ۲۳۰، دوسرا نسخہ ص ۲۸٦)

فقیر اللہ دیوبندی نے، سرفراز صفدر کے اسی استدلال کے متعلق لکھا: ''مجھے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نسبت مؤلف احسن الکلام محدث العصر علامہ محمد سرفراز صفدر مدظلّہ العالی کا لطیف استدلال جو انہوں نے اپنے حسن ذوق کی بنا پر کیا ہے زیادہ پسند ہے کہ نماز کی حالت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافتِ طبع مزید لطیف ہو جاتی تھی اور آپ امور حسّیہ سے بڑھ کر امور معنویہ تک کو محسوس کرنے لگتے تھے'' (خاتمۃ الکلام ص ۳۰۲)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا تو اب یہ بھی جان لیں کہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے پانچ صحابہ کرام کا قراءت خلف الامام پر عامل ہونا تسلیم کر لیا ہے:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (احسن الکلام جلد اص ۳۱۴، دوسرا نسخہ ص ۳۸۷، ۳۸۸)

② امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (احسن الکلام جلد اص ۳۱۴، دوسرا نسخہ ص ۳۸۷، ۳۸۸)

③ ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ (احسن الکلام جلد ۲ ص ۴٦ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۵۱)

④ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (احسن الکلام جلد ۲ ص ۱۳۱، دوسرا نسخہ ص ۱۴۳)

⑤ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (احسن الکلام جلد ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ص ۱۵٦)

⑥ البتہ سرفراز خان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اس طرح نقل کیا ہے: ''حضرت عمرؓ کا اثر:۔ یزید شریکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے سوال کیا:۔ اقرأ خلف الامام قال نعم قال وان قرأت یا امیرالمومنین قال وان قرات (جزءُ القراۃ ص ۱۳ الطحاوی جلد اص ۱۲۹ کتاب القرأۃ ص ٦۰) کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں سائل نے پوچھا اگر چہ آپ پڑھ رہے ہوں اے امیر المومنین؟ فرمایا ہاں اگر چہ میں پڑھتا رہوں

اور مستدرک حاکم جلد۱ص۲۳۹ دارقطنی جلد۱ص۱۲۰ اور سنن الکبریٰ جلد۲ص۱۶۷ وغیرہ میں یہ بھی مذکور ہے تم سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو سائل نے دریافت کیا اگرچہ آپ جہر سے قرأت کر رہے ہوں؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں جہر سے قرات کیا کروں۔''

(احسن الکلام جلد۲ص۱۱۹، ۱۲۰، دوسرا نسخہ ص۱۳۱، ۱۳۲)

سرفراز صفدر نے اس اثر کی سند کے کسی راوی پر کوئی کلام نہیں کیا البتہ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے: '' مؤلف احسن الکلام نے طبع اول میں اس پر اعتراض کیا تھا جس کا جواب خیر الکلام (ص۲۸۹) میں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مؤلف موصوف کی اس پر خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ سند کے اعتبار سے اس اثر کا بے غبار ہونا انہیں بھی مسلم ہے۔''

(توضیح الکلام جلد۱ص۴۶۵، طبع جدید ص۴۲۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہی اثر الیاس گھمن کے چہیتے ابوالحسن دیوبندی نے ''قافلۂ حق'' میں نقل کر کے کوئی جرح نہیں کی بلکہ لکھا ہے:

'' قرات خلف الامام کے باب امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ امام ترمذیؒ نے امام کے پیچھے قرات کو جائز بتانے والوں کے بارے میں فرمایا وھو قول مالک ابن انسؒ و ابن المبارکؒ والشافعیؒ و احمدؒ و اسحاقؒ یرون القراۃ خلف الامام۔ کہ امام مالک بن انس، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاقؒ امام کے پیچھے قرات کو جائز بتاتے ہیں۔(ترمذی ۱/۱۷۸)'' (قافلۂ حق جلد۳ شمارہ۱ص۱۹، ۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ: ''امام احمد رحمہ اللہ نے واذا قرئ القرآن کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے'' کی حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ آیت مبارکہ ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ﴾ الخ میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ اجماع امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے اور وہی فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیۓ۔

⑦ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ / ابونضرہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قراءت کا پوچھا تو انہوں نے فرمایا: سورۃ فاتحہ۔
آلِ دیوبند کے مشہور ''محدث اور فقیہ'' محمد بن علی نیموی نے اس اثر کے بارے میں کہا:
''**إسناده حسن**'' اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن ص ۸۴ تحت ح ۳۵۸، دوسرا نسخہ ص ۹۰)
آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم بھی تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کو منع نہیں کیا لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ میں ایسا کوئی حکم نہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔
مزید یہ کہ دیوبندی عموماً تشہد میں درود کے بعد امام و مقتدی دونوں ''**رب اجعلنی مقیم الصلاة**'' پڑھتے ہیں جو کہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اگر کوئی دیوبندی کہے کہ ''**رب اجعلنی مقیم الصلاة**'' تو ہم بطور دعا پڑھتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ بھی دعا ہے چنانچہ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''فاتحہ دعا ہے لیکن مقتدی حکماً دعا خواں ہے اور آمین سے اسکی تصدیق کرتا ہے۔'' (احسن الکلام جلد ۱ ص ۳۴۲، دوسرا نسخہ ص ۴۲۲)
اگر آمین سے تصدیق ہوتی ہے تو دیوبندی مقتدی سری نمازوں میں اس تصدیق سے بھی محروم رہتا ہے کیونکہ ہر دیوبندی جانتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں آمین کہتا ہی نہیں۔
اس تفصیل کے بعد آلِ دیوبند کے انتہائی معتبر علماء سے آیت ﴿**و اذا قری القرآن**﴾ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں، چنانچہ آلِ دیوبند کے ''حکیم الامت'' اشرفعلی تھانوی نے لکھا:
''میرے نزدیک اذاقرئ القرآن فاستمعوا جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔ تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قراءت فی الصلوۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔''
(الکلام الحسن جلد ۲ ص ۲۱۲، ملفوظات ''حکیم الامت'' ج ۲۶ ص ۳۳۵)
اور اشرفعلی تھانوی کے خلیفہ عبدالماجد دریا آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
''حکم کے مخاطب ظاہر ہے کفار و منکرین ہیں، اور مقصودِ اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اُسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سُنا کرو، تا کہ اس کا معجز ہونا اور اس کی

تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لا کر مستحق رحمت ہو جاؤ''

(تفسیر ماجدی ص۳۷۳، دوسرا نسخہ ج۲ ص۲۶۳ واللفظ لہ)

خلاصۂ کلام: آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، آیت ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ﴾ کے شان نزول کی روایت کے راوی ہیں اور حدیث **وإذا قرأ فانصتوا** کے بھی راوی ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آیت کے نازل ہونے کے بعد اور حدیث **وإذا قرأ فانصتوا** نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے لہٰذا آلِ دیوبند نے آیت اور حدیث کا مطلب غلط سمجھا ہے کیونکہ آلِ دیوبند کے عالم فقیر اللہ نے لکھا: ''احناف کے ہاں اصول یہ ہے کہ صحابی کا فتویٰ اپنی مرفوع روایت کے خلاف اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ صحابہ کے ساتھ حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ مرفوع حدیث کے خلاف ان کے عمل اور فتویٰ کو بے عملی اور لا پرواہی کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے یہ خیال کرلیا جائے کہ صحابی کو اپنی مرفوع روایت کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تھا اس لئے اس کے خلاف عمل اور فتوی دینا شروع کردیا'' (خاتمۃ الکلام ص۲۹۹)

آلِ دیوبند کی طرف سے ترک قرات خلف الامام کے بنیادی دلائل کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اب مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مزید وضاحت بھی آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں واضح کی جاتی ہے۔ ان شاءاللہ

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
((**لا صلوۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب**)) اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ (صحیح بخاری جلد۱ ص۱۰۴ ح۷۵۶، صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۹ ح۳۹۴)

آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا: ''اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں'' (احسن الکلام جلد۱ ص۱۸۷ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص۳۳۴)

مذکورہ حدیث کے متعلق سرفراز صفدر نے لکھا: ''بلا شبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے''

(احسن الکلام جلد۲ ص۱۸)

آلِ دیوبند کے مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے مذکورہ حدیث کے متعلق لکھا:
''یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور متفق علیہ ہے، آئمہ ستہ نے اس کی تخریج کی ہے''
(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۷۷)
آلِ دیوبند کے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے اس حدیث کے متعلق لکھا:
''بالاتفاق صحیح ہے'' (درس ترمذی جلد۲ ص ۷۵)
آلِ دیوبند کے امام سرفراز نے محمد عمر اچھروی بریلوی پر رد کرتے ہوئے لکھا:
''مگر مولوی محمد عمر کو بگوش ہوش سننا چاہئے اور اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بخاری شریف کی روایت کو ضعیف کہہ دینا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۴۱۱)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا اثر

سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے (امام کے پیچھے) ایک نماز پڑھی اور میرے ساتھ (سیدنا) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ میں نے ان سے کہا: اے ابوالولید! کیا میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے نہیں سنا؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں! اور اس کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۵، وسندہ صحیح)
مصنف ابن ابی شیبہ کے متعلق امین اوکاڑوی نے لکھا ہے کہ ''اس کتاب کے تمام راوی خیر القرون کے راوی ہیں'' (تجلیات صفدر جلد ۴ ص ۶۱)
آلِ دیوبند کے امام سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے: '' بہرحال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا...'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۵۶)
محمد تقی عثمانی نے مذکورہ اثر کے متعلق فرمایا: ''صحیح ہے'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۷۶)
فقیر اللہ دیوبندی نے، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے متعلق نے لکھا: ''جب بھی ان سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے خلف الامام کی زیادت کے بغیر لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے ساتھ استدلال کیا'' (خاتمہ الکلام ص ۴۳۹)

تقی عثمانی صاحب نے لکھا: ''حضرت عبادہؓ کا اپنا اجتہاد ہے، یعنی انہوں نے ''لا صلوۃ لمن لم یقرأ ''والی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لئے عام سمجھا اور اس سے یہ حکم مستنبط کیا کہ مقتدی پر بھی قراءت فاتحہ واجب ہے'' (درس ترمذی جلد۲ص ۷۵)

آلِ دیوبند کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور اس کو واجب سمجھتے تھے اور انھوں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی فاتحہ پڑھنی شروع کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا کیونکہ سرفراز صفدر اور فقیر اللہ دیوبندی کے بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نماز میں لطیف سے لطیف تر ہوجاتی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آہستہ آواز سے قراءت کرنے والے کا بھی علم ہو جاتا تھا۔

(دیکھئے احسن الکلام جلد۱ص۲۳۰، دوسرا نسخہ ص۲۸۶، اور خاتمہ الکلام ص۳۰۲[اصل عبارتیں گزر چکی ہیں])

دیوبندیوں کے محدث سعید احمد پالنپوری نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا: ''ظاہر ہے قولِ صحابی کے سامنے کسی اور کی بات ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ کلامِ نبوت کو اوروں کی بہ نسبت صحابۂ کرام زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔''

(تسہیل ادلہ کاملہ ص۶۶، ۶۷)

سرفراز صفدر نے لکھا: ''اور یہ بات باقرار مبارکپوری صاحبؒ اپنے مقام پر آئیگی کہ راوی حدیث (خصوصاً جب کہ صحابی ہو) اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے'' (احسن الکلام جلد۱ص۲۶۸، دوسرا نسخہ ص۳۳۱)

مکرر عرض ہے کہ آلِ دیوبند کے مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا: ''میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، آئمہ ہدیٰؒ اور اکابر امتؒ نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا۔ اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ نعوذ باللہ۔'' (اختلاف امت صراط مستقیم حصہ اول ص۲۵، دوسرا نسخہ ص۳۷)

تنبیہ: فصاعداً، فما زاد اور وما تیسر کی زیادت والے اعتراض کے جواب کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث نمبر ۷۵ص۳۲۔۳۳ [ختم شد]

حافظ زبیر علی زئی

سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ کے چند پہلو

نام ونسب: سیدنا ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (المغیرۃ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مُرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معدّ بن عدنان من ولد اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام.

آپ کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہے۔

ولادت: ماہِ ربیع الاول (۵۷۱ء) بروز سوموار (جس سال ابرہہ کافر نے اپنے ہاتھی کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا اور اللہ نے اُسے اُس کی فوج سمیت تباہ کر دیا تھا۔) آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ کے والد عبداللہ آپ کی پیدائش سے تقریباً مہینہ یا دو مہینے پہلے فوت ہوئے۔ (دیکھئے السیرۃ النبویہ للذہبی ص ۴۹) اور جب آپ سات سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ فوت ہو گئیں پھر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی اور جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے، ان کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((... **دعوة أبي إبراهيم و بشارة عيسى بي و رؤيا أمي التي رأت.**)) إلخ

میں اپنے ابا (دادا) ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور (بھائی) عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت (خوش خبری) ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں جسے انھوں نے دیکھا تھا۔

(مسند احمد ۴/۱۲۷ ح ۱۷۱۵۰، وسندہ حسن لذاتہ)

حلیہ مبارک: آپ ﷺ کا چہرہ چاند جیسا (خوبصورت، سرخی مائل سفید اور پُرنور) تھا۔ آپ کا قد درمیانہ تھا اور آپ کے سر کے بال کانوں یا شانوں تک پہنچتے تھے۔

نکاح: سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی

ہوئی اور جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

اولاد: قاسم، طیب، طاہر (اور ابراہیم) رضی اللہ عنہم

بنات: رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن

پہلی وحی: غارِ حراء میں جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور سورۃ العلق کی پہلی تین آیات کی وحی آپ کے پاس لائے۔ ۶۱۰ء (اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔)

عام الحزن: ہجرتِ مدینہ سے تین سال قبل ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئے۔

ہجرت: ۶۲۲ء میں آپ اپنے عظیم ساتھی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

مکی دور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے۔

مدنی دور: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں دس (۱۰) سال رہے اور پھر وفات کے بعد الرفیق الاعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔

غزوۂ بدر: ۲ھ کو بدر میں اسلام اور کفر کا پہلا بڑا معرکہ ہوا جس میں ابوجہل مارا گیا۔

غزوۂ احد: ۳ھ، اس غزوے میں ستر کے قریب صحابۂ کرام مثلاً سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔

غزوۂ خندق: ۵ھ (احزابِ کفار نے مدینہ پر حملہ کیا اور ناکام واپس گئے)

صلح حدیبیہ: ۶ھ، اس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے۔

غزوۂ خیبر: ۷ھ، خیبر فتح ہوا۔

فتح مکہ: ۸ھ، مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو معاف کردیا۔

اس سال غزوۂ حنین بھی ہوا تھا۔

غزوۂ تبوک: ۹ھ

حجۃ الوداع: ۱۰ھ

دعوت: قرآن، حدیث، توحید اور سنت آپ کی دعوت ہے۔ آپ نے لوگوں کو شرک و کفر

کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید و سنت کے نورانی راستے پر گامزن کر دیا۔ آپ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے۔
(صحیح بخاری:۲۴۴۲، صحیح مسلم:۲۵۸۰)

اخلاق: آپ ﷺ اخلاق کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ اور آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔ (سورۃ نون:۴)
آپ نے فرمایا: ((أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً و خياركم خياركم لنساء هم خلقاً .)) مومنوں میں مکمل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں۔
(سنن الترمذی:۱۱۶۲، وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

معلّمِ انسانیت: ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے بہترین معلّم (استاذ) اچھے طریقے سے تعلیم دینے والا کوئی نہیں دیکھا، نہ پہلے اور نہ بعد۔ اللہ کی قسم! آپ نے مجھے نہ ڈانٹا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم:۵۳۷)

معاملات: آپ ﷺ نے فرمایا: ((إن خياركم أحسنكم قضاء .)) تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو بہتر طریقے سے قرض ادا کریں۔ (صحیح بخاری:۲۳۰۵، صحیح مسلم:۱۶۰۱)
نیز فرمایا: ((دع ما يريبك إلى مالا يريبك فإن الصدق طمأنينة وإن الكذب ريبة .)) شک والی چیز کو چھوڑ دو اور یقین والی چیز کو اختیار کرو کیونکہ یقیناً سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک و شبہ ہے۔ (سنن ترمذی:۲۶۱۸ وقال: ھذا حدیث صحیح)

نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا، اگر پسند فرماتے تو کھا لیتے اور اگر پسند نہ فرماتے تو چھوڑ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری:۵۴۰۹)

وفات: ۱۱ھ بروز سوموار، ماہِ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

صلى الله عليه و آله وأصحابه وأزواجه وسلم .

اعظم المبارکی

عون الرب فی توثیق شہر بن حوشب

شہر بن حوشب الاشعری الشامی مولیٰ اسماء بنت یزید بن السکن سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے شہر بن حوشب سے الادب المفرد (۱۸، ۴۵، ۳۲۳، ۸۹۳، ۱۲۸۵) میں اور امام مسلم نے مقروناً اپنی کتاب صحیح مسلم (۲۰۴۹) میں روایت لی ہے۔

سنن اربعہ میں شہر بن حوشب کی روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

سنن ابی داود: ۱۳۴، ۵۲۸، ۶۷۷، ۱۴۹۶، ۲۴۸۲، ۲۸۶۷، ۳۶۸۶، ۳۹۸۲، ۳۹۸۳، ۴۰۲۷، ۵۰۴۲، ۵۲۰۴ [۱۲ روایات]

سنن الترمذی: ۳۷، ۹۴، ۶۱۱، ۱۵۶۳، ۱۷۶۵، ۱۹۳۹، ۲۰۶۸، ۲۰۹۱، ۲۱۱۷، ۲۱۲۱، ۲۴۹۵، ۲۵۳۹، ۲۵۴۵، ۵۲۸۶، ۲۶۹۷، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۳۲۱۵، ۳۲۳۷، ۳۳۰۷، ۳۳۸۲، ۳۴۷۴، ۳۴۷۸، ۳۵۲۲، ۳۵۲۶، ۳۸۷۱ [۲۶ روایات]

سنن النسائی: ۱۸۰۰، ۳۶۴۱، ۳۶۴۲

سنن ابن ماجہ: ۲۷، ۴۱۷، ۴۴۴، ۱۴۹۶، ۱۵۷۹، ۱۵۸۹، ۲۰۴۳، ۲۱۹۶، ۲۷۰۴، ۲۷۱۲، ۲۷۹۴، ۲۷۹۸، ۳۲۹۸، ۳۳۷۱، ۳۴۵۳، ۳۴۵۵، ۳۸۸۱، ۳۹۶۶، ۴۰۳۴، ۴۱۱۹، ۴۲۵۷ [۲۱ روایات]

شہر بن حوشب کے بارے میں محدثین کرام کا اختلاف ہے، بعض نے جرح کی ہے اور جمہور نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔اس تحقیقی مضمون میں پہلے جارحین کی جرح پیشِ خدمت ہے:

۱) النسائی: ''**ليس بالقوي**'' (کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۱۹۴ ت ۱۹۴)

۲) الدارقطنی: ''**ليس بالقوي**'' (سنن الدارقطنی ۱/۱۰۲ ح ۳۵۳)

نیز دیکھئے یہی مضمون، باب:عبدالحمید بن بھرام عن شھر بن حوشب، فقرہ:١

٣) موسیٰ بن ہارون: ''**ضعیف**'' (سنن الدارقطنی ١/١٠٤ ح٣٥٧ وسندہ صحیح)

٤) ابن عدی: ''**وشهر ليس بالقوي في الحديث**''

اور شھر بن حوشب حدیث میں قوی نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی ٤/٥ ٦٢ وفی نسخۃ ٤/ ١٣٥٨)

اور کہا: ''**ضعیف جدًا**'' (أیضاً ٥/ ١٩٥٨، وفی نسخۃ ٧/ ٨، ترجمہ عبدالحمید بن بھرام)

٥) ابن جوزی: ''**ذكره في كتاب الضعفاء والمتروكين**'' (٢/ ٤٣)

٦) العقیلی: ''**ذكره في كتاب الضعفاء الكبير**'' (٢/ ١٩١ ونسخۃ اُخریٰ ٢/ ٥٧٠)

٧) ابن حبان: ''**كان ممن يروي عن الثقات المعضلات و عن الأثبات المقلوبات**'' وہ ثقہ راویوں سے معضل (سند میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی یکے بعد دیگرے ایک ہی جگہ سے گرانا) اور مقلوب (سند یا متن میں کوئی لفظ دوسرے سے بدلنا) روایات بیان کرنے والوں میں سے تھا۔ (کتاب المجروحین ١/ ٣٦١)

٨) البیہقی: ''**و هو عند أهل العلم بالحديث لا يحتج به**'' اہل علم کے نزدیک اس کی حدیث حجت نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ٤٦٧، وفی نسخۃ ص ٥٨٩)

٩) ابن حزم: ''**ساقط**'' (المحلی ٧/ ٤٨٤)

وقال: ''**ضعیف**'' (أیضاً ١٠/ ٨٣)

١٠، ١١) شعبہ بن الحجاج ومعاذ العنبری: معاذ بن معاذ العنبری نے کہا:

''**ما تصنع بحديث شهر فإن شعبة ترك حديث شهر بن حوشب**''

تم شھر بن حوشب کی حدیث کا کیا کروگے؟ یقیناً اُسے شعبہ (بن الحجاج) نے ترک کردیا تھا۔

(الجرح والتعدیل ٤/ ٣٨٣ وسندہ صحیح)

١٢) یحییٰ بن سعید القطان: ''**لا يحدث عنه**''

اس سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔ (الجرح والتعدیل ٤/ ٣٨٣ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے یہی مضمون، باب:عبدالحمید بن بھرام عن شھر بن حوشب، فقرہ:٢

۱۳) عبداللہ بن عون: ''**إن شهرًا نزكوه إن شهرًا نزكوه**'' بے شک انھوں نے شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے، بے شک انھوں نے شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے۔
(مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووی ۹۲/۱ ح ۳۶ وسندہ صحیح)

۱۴) ابن الملقن: حافظ ابن الملقن نے کہا کہ محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا یعنی اس پر طعن کیا تھا۔ دیکھئے البدر المنیر (۶۱۱/۳، ۱۸۲/۴، ۲۶۴/۷)

۱۵) ابن قتیبہ الدینوری: ''**وكان ضعيفًا في الحديث**''
اور وہ حدیث میں ضعیف تھا۔ (المعارف لابن قتیبہ ۱۵۴/۱، المکتبۃ الشاملۃ)

۱٦) ابوحاتم الرازی: ''**شهر بن حوشب أحب إلي من أبي هارون العبدي و من بشر بن حرب ، و ليس بدون أبي الزبير ، لا يحتج بحديثه**'' مجھے شہر بن حوشب ابو ہارون العبدی اور بشر بن حرب سے زیادہ پسند ہے، اور وہ ابوالزبیر سے کم نہیں ہے، (لیکن) اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ (الجرح والتعدیل ۳۸۳/۴)
نیز دیکھئے یہی مضمون، باب: عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب، فقرہ: ۳

۱۷) حافظ العراقی: ''**وشهر ضعفه الجمهور**''
اور شہر (بن حوشب) کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (التقیید والایضاح ص ۵۱)

۱۸) الجوزجانی: ''**أحاديثه لا تشبه حديث النّاس**'' اس کی حدیثیں لوگوں کی حدیثوں کے مشابہ نہیں ہوتیں۔ (احوال الرجال: ۱۴۱)
وقال: ''**وحديثه دال عليه فلا ينبغي أن يغترّ به و بروايته**'' اس کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے اور اس کی روایت سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ (أیضاً: ۱۴۱)

۱۹) ابن القطان الفاسی: حافظ ابن القطان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہر بن حوشب روایت میں ضعیف ہے۔ دیکھئے بیان الوھم والایھام (۵۹۱/۳، ۳۲۱)

۲۰) صدقہ بن الفضل: عباس بن عبدالعظیم العنبری (ثقہ، حافظ) نے کہا:
صدقہ بن الفضل (ثقہ) ہمارے پاس آئے اور وہ شہر بن حوشب سے (احادیث) نہیں

لکھتے تھے۔ دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۵۹/۲۵، وسندہ حسن)

۲۱) ابن القیم: ''**وشهر بن حوشب ضعفه مشهور**''

اور شہر بن حوشب کا ضعیف ہونا مشہور ہے۔ دیکھئے حادی الارواح (ص۱۹۴)

۲۲) ابراہیم بن موسیٰ، برھان الدین الابناسی: ''**وشهر ضعفه الجمهور**''

اور شہر (بن حوشب) کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔

(الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح ۱۱۴/۱، المکتبۃ الشاملۃ)

۲۳) ابوعبداللہ الجورقانی: ''**إسماعيل و ليث و شهر ثلاثتهم متروكون لضعفهم و لينهم**'' اسماعیل (بن عیاش)، لیث (بن ابی سلیم) اور شہر (بن حوشب) تینوں اپنے (حافظے کی) کمزوری اور (حدیث میں) ضعیف ہونے کی وجہ سے متروک ہیں۔ (کتاب الاباطیل ۸۶/۲)

ان اقوالِ تضعیف کے بعد درج ذیل علماء سے شہر بن حوشب کی توثیق ثابت ہے:

۱) ابوزرعہ الرازی: ''**لا بأس به**'' (الجرح والتعدیل ۳۸۳/۴)

۲) البخاری: ''**شهر حسن الحديث**'' (سنن الترمذی تحت حدیث: ۲۶۹۷)

۳) الترمذی: ''**حسن له**'' (سنن الترمذی: ۲۵۳۹)

و ''**صحح له**'' (أیضاً: ۲۱۲۱)

٤) حافظ ذہبی: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲۸۴/۲) میں شہر بن حوشب کے ترجمہ کے ساتھ [صح] کی علامت لکھی، اور کہا: ''**قد ذهب إلى الإحتجاج به جماعة**''

اس کے ساتھ ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے۔

فائدہ: جس راوی کے ساتھ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ''صح'' کی علامت لکھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہبی کے نزدیک اس راوی کی توثیق راجح ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۱۵۹/۲، ترجمہ حارث بن محمد بن ابی اسامہ)

اور ذہبی نے کہا: ''**كان عالمًا كثير الرواية حسن الحديث**''

وہ کثرت سے احادیث بیان کرنے والا عالم (اور) حسن الحدیث تھا۔ (العبر فی خبر من غبر ۹۰/۱)
نیز دیکھئے معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بما لا یوجب الرد للذہبی (۱۵۸)، ذکر اسماء من تکلم فیہ وھو موثق (۱۶۱) اور تلخیص المستدرک (۳۸۷/۳ ح ۵۴۶۷)

۵) یحییٰ بن معین: ''**وھو ثقة**'' (تاریخ الدوری ۲۶۷/۲ ت ۴۰۳۱)
وقال: ''**ثبت**'' (أیضاً ۳۳۵/۲ ت ۵۱۵۹)

٦) البوصیری: ''**حسن له**'' (زوائد ابن ماجہ ح ۷، اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۶۷/۱ ح ۵٦)

۷) یعقوب بن سفیان: ''**وشهر بن حوشب و إن قال ابن عون أن شهرًا قد تركوه فهو ثقة**'' اور شہر بن حوشب اگرچہ (عبداللہ) ابن عون نے ان پر جرح کی ہے پھر بھی وہ ثقہ ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۴۲۶/۲)

۸) النووی: ''**أن شهرًا ليس متروكًا بل وثقه كثيرون من كبار أئمة السلف أو أكثرهم**'' یقیناً شہر (بن حوشب) متروک نہیں ہے بلکہ بہت سے یا اکثر ائمہ سلف نے اس کی توثیق کی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۹۳/۱)

وقال: ''**في إسناده شهر بن حوشب وقد جرحه جماعة لكن وثقه الأكثرون و بينوا أن الجرح كان مستندًا إلى ما ليس بجارح والله أعلم**''
اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے اور ایک جماعت نے اس پر جرح کی ہے لیکن اکثر نے اس کی توثیق کی ہے اور انھوں نے واضح کیا ہے کہ جو جرح اس پر مستند کی جاتی ہے وہ جرح (ثابت) نہیں ہے۔ واللہ اعلم (المجموع شرح المہذب ۳۷۰/۱)

۹) مسلم: ''**أخرج له فی صحيحه فی المتابعات**'' (دیکھئے صحیح مسلم ح: ۲۰۴۹)

۱۰) ابن کثیر: ''**حسن له**'' (مسند الفاروق ۲۲۸/۱)
اور کہا: ''**وكان عالمًا عابدًا ناسكًا**'' (البدایہ والنہایہ ۳۱۶/۹، وفی نسخۃ ۱۴۵/۱۰)

۱۱) البغوی: ''**حسن له**'' (شرح السنۃ ۳۳۳/۱۱ ح ۲۸۹۸)

۱۲) الخطیب بغدادی: خطیب نے اس کی حدیث کو ''**و هذا حديث متصل الإسناد**

صالح الرجال ''قرار دیا۔ (موضح اوھام الجمع والتفریق ج۱ص۳۶۳)

۱۳) احمد بن حنبل: حرب بن اسماعیل نے کہا: میں نے (امام) احمد بن حنبل سے شہر بن حوشب کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا: اس کی حدیث بہترین ہوتی ہے، (حرب بن اسماعیل نے کہا:) اور انھوں نے اس کی توثیق کی، اور وہ اہلِ حمص میں سے شامی تھا۔
(الجرح والتعدیل ۳۸۳/۴ وسندہ حسن)

۱٤) ضیاء الدین المقدسی: '' **أورد حدیثه فی المختارة** '' (المختارہ ۳۲۴/۸ ح۳۹۱، ۳۹۲)
معلوم ہوا کہ شہر بن حوشب حافظ ضیاء الدین المقدسی کے نزدیک صحیح الحدیث تھے۔

۱۵) ابن خزیمہ: '' **أخرج له فی صحیحه** '' (صحیح ابن خزیمہ ۲۹۳/۴ تحت حدیث:۲۹۱۳)
(امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے شہر بن حوشب پر جرح کرنا ثابت نہیں ہے۔ تاریخ دمشق (۱۵۹/۲۵) میں مذکور روایات میں سے ایک میں ابوالطیب المذکر جبکہ دوسری میں ابوبکر محمد بن جعفر ہے، ان دونوں کی توثیق اور ترجمہ مطلوب ہے۔!)

۱٦) ابوعوانہ: '' **احتج به فی صحیحه** ''
(المستخرج علی صحیح مسلم ۳۳۹/۳ ح۵۲۶۳، ۶۱/۴ ح۵۸۶۵، ۲۵۲/۴ ح۶۷۴۷)

۱۷) عبدالحئ بن العماد الحنبلی: '' **کان کثیر الروایة حسن الحدیث و قرأ القرآن علی ابن عباس و کان عالمًا کبیرًا** '' وہ کثرت سے روایت کرنے والا حسن الحدیث تھا، اُس نے (سیدنا عبداللہ) بن عباس (رضی اللہ عنہ) کے سامنے قرآن پڑھا اور وہ بڑا عالم تھا۔ (شذرات الذھب ۱۱۹/۱)

۱۸) الیافعی: '' **وکان کثیر الروایة حسن الحدیث** '' وہ کثرت سے روایت کرنے والا حسن الحدیث تھا۔ (مرآۃ الجنان ۱۹۵/۱ المکتبۃ الشاملۃ)

۱۹) ابن شاہین: '' **ذکرہ فی تاریخ أسماء الثقات** '' (تاریخ اسماء الثقات:۵۳۶)

۲۰) المؤمل بن احمد: محدث المؤمل نے اس کی حدیث کے بارے میں کہا: '' **هذا حدیث عال حسن الإسناد** '' یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی حسن سند سے ہے۔ (فوائد المؤمل:۴۶)

۲۱) یعقوب بن شیبہ: ''**ثقة علٰی أن بعضهم قد طعن فی شهر**'' ثقہ ہیں اگرچہ بعض نے شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۵۳/۲۵، وسندہ قوی)

۲۲) المنذری: حافظ منذری نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔
دیکھئے ترغیب وترہیب (۵۵٦/۱ ح ۱۱۴۲)

۲۳، ۲٤) علی بن المدینی اور عبدالرحمٰن بن مھدی: علی بن المدینی سے پوچھا گیا: کیا آپ شہر بن حوشب کی حدیث کو پسند کرتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں اس کی احادیث لیتا ہوں اور میں کسی آدمی سے (احادیث لینا) نہیں چھوڑتا الا یہ کہ (اُس کی تضعیف پر) یحییٰ (بن سعید القطان) اور عبدالرحمٰن (بن مھدی) جمع جائیں۔
(تاریخ دمشق ۱۵۲/۲۵، وسندہ صحیح)

۲۵) مغلطائی بن قلیج المصری الحنفی: مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ المصری نے شہر بن حوشب کی ایک روایت کے بارے میں کہا: ''**هذا حديث إسناده جيد**''
(شرح ابن ماجہ ۲۸۲/۱، المکتبۃ الشاملۃ)

متعارض اور غیر ثابت اقوال

شہر بن حوشب کے بارے میں بعض علماء کی جرح اور تعدیل میں تعارض ہے، جبکہ بعض محدثین کے اقوال صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں ہیں اور بعض بذاتِ خود مجروح تھے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: محمد بن عمر الواقدی: ''**كان ضعيفًا فی الحديث**'' (طبقات ابن سعد ۴۴۹/۷)
عرض ہے کہ واقدی مذکور بذاتِ خود کذاب اور متروک راوی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**كتب الواقدی كذب**'' واقدی کی کتابیں جھوٹ (سے بھری) ہیں۔
(الجرح والتعدیل ۲۱/۸ وسندہ صحیح)

۲: حافظ ابن حجر: ''**صدوق، كثير الإرسال والأوهام**'' (تقریب التہذیب: ۲۸۳۰)

اور کہا: '' **و شهر حسن الحديث و إن كان فيه بعض الضعف** ''

شہر بن حوشب حسن الحدیث ہے اگر چہ اس میں کچھ کمزوری ہے۔ (فتح الباری ۶۵/۳ ح:۱۱۹۰)

حافظ ابن حجر کی جرح اور تعدیل میں تعارض ہے، اس لئے دونوں اقوال ساقط ہیں۔

۳: الھیثمی: '' **ضعیف** '' (مجمع الزوائد ۳۳۹/۵)

مزید لکھا: '' **فيه كلام و هو ثقة إن شاء الله** '' (ایضاً ۱۳۰/۲)

وقال: '' **وحديثه حسن** '' (ایضاً ۲۱۷/۴)

حافظ الھیثمی کے اقوالِ جرح اور تعدیل متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔

۴: السیوطی: جلال الدین السیوطی نے کہا: '' **وأبو بكر ضعيف و كذا شهر** ''

ابوبکر (الھذلی) اور شہر (بن حوشب) دونوں ضعیف ہیں۔ (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۴)

اور شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید کی سند سے ایک روایت کے بارے میں کہا:

'' **بسند حسن** '' (الحاوی للفتاوی ۳۵۶/۱)

لہٰذا حافظ السیوطی کے دونوں اقوال ساقط ہیں۔

☆☆ الساجی اور ابو احمد الحاکم کی تضعیف مجھے باسند صحیح نہیں ملی۔ واللہ اعلم

شہر بن حوشب پر چوری کا الزام

بعض علماء نے شہر بن حوشب پر چوری کی جرح بھی نقل کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

① عباد بن منصور: دیکھئے الکامل لابن عدی (۵۹/۵ وفی نسخۃ ۱۳۵۵/۴)، کتاب المجروحین لابن حبان (۳۶۱/۱)

عباد بن منصور بذاتِ خود ضعیف عند الجمہور ہے۔ اسے امام نسائی، ابن مدینی، حافظ ذہبی اور ابو حاتم الرازی نے ضعیف، یحییٰ بن معین نے لیس بشئ اور ابو زرعہ الرازی نے بصری لین کہا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تھذیب الکمال اور کتاب الجرح والتعدیل وغیرہما

حافظ نووی نے چوری والی اس روایت کے بارے فرمایا: '' **غير مقبول عند**

المحققين بل أنكروه والله أعلم'' یہ(روایت) محققین کے نزدیک غیر مقبول (یعنی ثابت نہیں) ہے بلکہ انھوں اس کا انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم (شرح صحیح مسلم للنووی ۹۳/۱)

④ شعبہ بن الحجاج: قال الحافظ البيهقي: أخبرنا أبوعبدالرحمٰن السلمي، ثنا أبوسعيد الخلال، ثنا أبو القاسم البغوي، ثنا محمود بن غيلان، ثنا شبابة قال سمعت شعبة يقول.... دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۶۶/۱)

یہ جرح دو وجہ سے باطل ہے:

۱) اس کی سند کا بنیادی راوی ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی سخت ضعیف تھا۔

محمد بن یوسف القطان النیسابوری (وکان صدوقاً، تاریخ بغداد ۴۱۱/۳) نے کہا:

''كان أبوعبدالرحمٰن السلمي غير ثقة..... وكان يضع للصوفية الأحاديث''

ابوعبدالرحمٰن السلمی ثقہ نہیں تھا... اور وہ صوفیاء کے لئے احادیث گھڑتا تھا۔

(تاریخ بغداد ۲۴۸/۲)

۲) ابوسعید الخلال کی توثیق مجھے نہیں ملی، اس کا ترجمہ تاریخ جرجان (۱۷۳) میں بغیر کسی جرح وتعدیل کے موجود ہے۔

③ عبداللہ بن عون: قال ابن عدي: وأظن عبدان الأهوازي أو غيره حدثنا عن بندارعن معاذ بن معاذ عن ابن عون قال... دیکھئے الکامل (۱۳۵۵/۴)

اس کی سند میں حافظ ابن عدی کا اُستاذ غیر متعین ہونے کی وجہ سے نامعلوم ہے۔

⑤ ابوبکیر: قال ابن عدي: حدثنا محمد بن عمرو بن العلاء، ثنا عمرو بن علي، ثنا يحيي بن أبي بكير، حدثني أبي فذكره . دیکھئے الکامل (۵۹/۵ وفی نسخہ ۱۳۵۵/۴)، سیر أعلام النبلاء (۳۷۵/۴)، کتاب المعرفۃ والتاریخ للفسوی (۹۸/۲)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

اوّل: ابوبکیر کے حالات مطلوب ہیں۔

ثانی: اس کی سند میں انقطاع ہے۔ کما قال الذھبی فی سیر اعلام النبلاء (۳۷۵/۴)

⑥ ابوبکر الهذلی: **قال محمد بن جرير الطبري: حدثني أحمد عن علي قال أبو بكر الهذلي....** دیکھئے تاریخ طبری (۶/۵۳۸)، تاریخ دمشق (۲۵/۱۵۶)

ابوبکر الهذلی البصری بذاتِ خود سخت ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے اس پر یحییٰ بن معین، ابوزرعہ، ابوحاتم، النسائی، البخاری، الدارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: '' **أخباري متروك الحديث** '' (تقریب التہذیب: ۸۰۰۲)

لہٰذا ابوبکر الهذلی کی جرح مردود ہے۔

⑦ احمد بن محمد: **قال ابن عدي: أنشدنا الساجي، أنشدنا أحمد بن محمد....** دیکھئے الکامل فی الضعفاء لابن عدی (۴/۱۳۵۵)

زکریا الساجی کے شیوخ میں مجھے احمد بن محمد کے حالات نہیں ملے۔ واللہ أعلم

خلاصۂ تحقیق: شہر بن حوشب پر عباد بن منصور، شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عون، ابوبکیر، ابوبکر الهذلی اور احمد بن محمد کی چوری والی جرح ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر نے شہر بن حوشب کے بارے میں کہا: متاخرین کی ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا اور انھوں نے اس کی اور اس کی عبادت، دین اور اس کے اجتہاد کی تعریف کی ہے، اور انھوں نے کہا: یہ اس کی روایت کی (علت) قادح نہیں ہے کہ اُس نے بیت المال سے (بغیر اجازت) لیا، اگر یہ کام اس سے صحیح ثابت ہو، تو وہ (بیت المال) کا والی تھا اور اُس میں سے خرچ کرنے حق کا رکھتا تھا۔ واللہ اعلم (البدایہ والنہایہ ۹/۳۱۶، وفی نسخہ ۱۰/۱۴۵)

عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب

اگر عبدالحمید بن بھرام شہر بن حوشب سے راویت کریں تو وہ روایت زیادہ قوی ہوتی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: الدارقطنی نے کہا: '' **شهر بن حوشب يُخرّج من حديثه ما روى عنه عبدالحميد بن بهرام** '' شہر بن حوشب سے جو حدیث عبدالحمید بن بھرام روایت کریں، اُس کی تخریج کی جاتی ہے۔ (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۲۲۲)

۲: یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: ''**من أراد حدیث شهر فعلیه بعبدالحمید بن بهرام**'' جو شہر (بن حوشب) کی حدیث (لینے کا) ارادہ رکھتا ہے تو وہ عبدالحمید بن بھرام کو لازم پکڑے۔ (الجرح والتعدیل ۶/۴۳ وسندہ صحیح)

۳: ابو حاتم الرازی نے عبدالحمید بن بھرام کے بارے میں کہا: ''**عبدالحمید بن بهرام في شهر بن حوشب مثل اللیث بن سعد في سعید المقبري....أحادیثه عن شهر صحاح لا أعلم روی عن شهر بن حوشب أحادیث أحسن منها**'' الخ

شہر بن حوشب سے عبدالحمید بن بھرام (روایت کرنے میں) اس طرح ہے جیسا کہ سعید المقبری سے لیث بن سعد ہیں۔ اس کی احادیث شہر (بن حوشب) سے صحیح ہیں، میں نہیں جانتا کہ شہر بن حوشب سے اس کے علاوہ کسی نے اچھی احادیث روایت کی ہوں۔

(الجرح والتعدیل ۶/۹)

اس کے بعد ابو حاتم رازی نے عبدالحمید بن بھرام اور شہر بن حوشب دونوں پر جرح کی جو کہ جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

۴: ابن رجب الحنبلی نے شہر بن حوشب کے بارے میں کہا: ''**مختلف في أمره، ولکن روایة عبدالحمید بن بهرام عنه أصح من روایة غیره، من أصحابه**''

اس کی (جرح وتعدیل) میں اختلاف ہے، لیکن اس کے دوسرے اصحاب سے عبدالحمید بن بھرام کی اس سے روایت زیادہ صحیح ہوتی ہے۔ (شرح علل الترمذی ۲/۷۷۷)

عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب والی روایت کو درج ذیل محدثین نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: الضیاء المقدسی دیکھئے المختارہ (۸/۳۲۴ ح ۳۹۱، ۳۹۲)

۲: ابو عوانہ دیکھئے مسند ابی عوانہ (۴/۶۱ ح ۵۸۶۵)

خلاصۂ تحقیق: اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ شہر بن حوشب ثقہ عند الجمہور اور حسن الحدیث راوی تھے اور اگر ان سے عبدالحمید بن بھرام روایت کریں تو وہ روایت زیادہ قوی اور حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

گفتگو میں احتیاط

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرًا أو لیصمت ، و من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ ، و من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ.**)) جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان (یقین) رکھتا ہے تو خیر (نیکی اور بھلائی) کی بات کہے یا خاموش رہے، جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، اور جو شخص اللہ و روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے مہمان کی عزت و تکریم کرے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۷۵، صحیح مسلم: ۴۷)

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان (یعنی زبان) اور اپنی ٹانگوں کے درمیان (یعنی شرمگاہ) کی (حفاظت کی) ضمانت دے تو میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۶۴۷۴)

ایک دفعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اسلام کی کون سی بات (یعنی اخلاقیات میں سے) سب سے افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (صحیح بخاری: ۱۱، صحیح مسلم: ۴۲)

بھائیو! ہمیں چاہئے کہ ہر وقت اپنی زبان اور قلم کی حفاظت کریں، گفتگو میں احتیاط کریں، سچائی اور خیر خواہی ہمارا شعار ہو اور کتاب و سنت کی دعوت ہمارا پرچار ہو۔ اپنی زبان اور ہاتھوں سے اہلِ ایمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اور احسن طریقے سے لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانا بہترین کام ہے۔ فضول اور لایعنی گفتگو سے بچیں، اپنے مسلمان بھائیوں کی توہین و تنقیص سے اجتناب کریں اور یاد رکھیں کہ ایک دن ہم سب نے رب العالمین کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور اُس دن پچھتاوا کسی کام نہیں آئے گا۔ **اِلا من رحمہُ اللّٰہُ**

(نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو عدد ۲ ص ۲۰، عدد ۱۹ ص ۴)

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور مجلسِ علم کے آداب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ مومنین تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان سے اجازت لئے بغیر نہیں جاتے۔ (اے نبی!) جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پس جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو ان میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دیں (اور جسے چاہیں نہ دیں) اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (النور:۶۲)

فقہ القرآن ☆ جب صحابہ کسی مشترکہ امر مثلاً جہاد فی سبیل اللہ یا مجلسِ مشاورت وغیرہ پر مجتمع ہوتے تو ایسی مجلس سے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کئے بغیر کہیں نہیں جا سکتے تھے اور یہی حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ بالاجماع کا ہے۔

☆ کسی شدید ضرورت کی وجہ سے خلیفہ یا خلیفہ کے سپہ سالار وغیرہ سے اجازت طلب کر کے میدانِ جہاد یا مجلسِ علم وغیرہ سے جایا جا سکتا ہے لیکن جواز کا یہ پہلو صرف اُس صورت میں ہے جب کوئی حقیقی ضرورت لاحق ہو۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے کو بخوشی تسلیم کرنا اہلِ ایمان کا وطیرہ ہے۔

☆ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث بھی وحی ہے۔

☆ مجلسِ علم میں نہایت پُرسکون اور متانت کے ساتھ بیٹھنا چاہئے۔

حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

ایک روایت کی تحقیق

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اطلبوا العلم ولو بالصین" تم علم حاصل کرو، اگرچہ وہ چین میں ہو۔

یہ روایت عوام میں "حدیثِ چین" کے نام سے مشہور ہے اور اسے بڑی شدومد سے بیان کیا جاتا ہے۔ کالم نگار حضرات علم کی فضیلت واہمیت کے ساتھ چین کی حیثیت واضح کرنے کے لئے، اس روایت کو بکثرت لکھتے ہیں بلکہ بعض واعظین حضرات علم کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے یہ روایت (مزے لے لے کر) بیان کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر سکول کے کمروں میں چارٹوں وغیرہ پر یہ روایت لکھ کر آویزاں کی جاتی ہے لہٰذا بطورِ خیرخواہی عرض ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن عدی (الکامل فی الضعفاء ۱۱۸/۴) ابونعیم اصبہانی (اخبار اصبہان ۱۰۶/۲) خطیب بغدادی (تاریخ بغداد ۳۶۴/۹، کتاب الرحلہ ۱/۲) بیہقی (المدخل ۲۴۱، ۲۴۲، ۳۲۴) ابن عبدالبر (جامع بیان العلم ۱/۷۔۸) ضیاء مقدسی (المنتقی ۲۸/۱) اور عقیلی (کتاب الضعفاء ۲۳۰/۲) نے ابو عاتکہ طریف بن سلیمان عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ عقیلی نے کہا: اور یہ روایت "اور اگر چین میں ہو" صرف ابو عاتکہ سے مروی ہے اور وہ متروک الحدیث تھا۔ الخ، ابو عاتکہ طریف کو امام بخاری نے منکر الحدیث، امام نسائی نے لیس بثقہ اور امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۳۳۵/۲) اور لسان المیزان (۳۰۴/۶) حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو من گھڑت روایتوں میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الموضوعات ۳۴۷/۱)

شیخ البانی نے اس روایت کو باطل کہا۔ (دیکھئے الاحادیث الضعیفۃ ۶۰۰/۱ ح ۴۱۶، دوسرا نسخہ ص ۴۱۳)

علامہ سیوطی نے اس روایت کی تائید میں دو روایتیں ذکر کی ہیں: (۱) پہلی سند میں یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم العسقلانی کذاب (جھوٹا) تھا۔ (۲) دوسری سند میں احمد بن عبداللہ الجویباری مشہور کذاب ودجال تھا۔ لہٰذا یہ دونوں روایتیں مردود ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: "تم علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو" والی روایت باطل اور مردود ہے لہٰذا اسے حدیث کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔